حقائق و معلومات پر مشتمل ایک
لرزہ خیز کتاب

زلزلہ

مصنف علامہ ارشد القادری

مکتبہ نیاز احمد
اردو بازار اندرون بوہڑ گیٹ ملتان
Ph: 061-4571218

سبب تالیف

میری یہ کتاب کسی خاص عنوان پر کوئی فنی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ ایک استغاثہ ہے جسے میں نے قوم کی عدالت میں پیش کیا ہے استغاثہ کا مضمون یہ ہے کہ ہند و پاک میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت انبیاء و اولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خدا نے ان نفوس قدسیہ کو غیبی علم وادراک کی مخصوص قوت عطا کی ہے جس کے ذریعہ انہیں مخفی اُمور چھپے ہوئے احوال کا انکشاف ہوتا ہے۔ یونہی خدائے قدیر نے انہیں کاربارِ ہستی میں تصرف کا بھی اختیار مرحمت فرمایا جس کے ذریعہ وہ مصیبت زدوں کی دستگیری اور مخلوق کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔

اب اس سلسلے میں علمائے دیوبند کا کہنا ہے کہ انبیاء واولیاء کے حق میں اس طرح کا عقیدہ رکھنا شرک اور کفر ہے خدا نے نہ انہیں علمِ غیب عطا کیا ہے اور نہ تصرف کا کوئی اختیار بخشا ہے وہ معاذ اللہ بالکل ہماری طرح مجبور، بے خبر اور ناداں بندے ہیں خدا کی چھوٹی یا بڑی کسی مخلوق میں بھی جو اس طرح کی کوئی قوت تسلیم کرتا ہے وہ خدا کی صفات میں اسے شریک ٹھہراتا ہے۔ ایسا شخص توحید کا مخالف، اسلام کا منکر اور قرآن وحدیث کا باغی ہے۔

استغاثہ پیش کرنے کا موجب یہ امر ہے اکہ علمائے دیوبند کا یہ مسلک اگر قرآن وحدیث پر مبنی ہے تو انہیں ہر حال میں اس پر قائم رہنا چاہئے تھا یعنی جن عقیدوں کو انہوں نے انبیاء واولیاء کے حق میں شرک سمجھا تھا انہیں ساری مخلوق میں شرک سمجھنا چاہئے تھا لیکن یہ ایسا اندھیر ہے اور عقیدہ توحید کے خلاف یہ کتنی شرمناک سازش ہے کہ ایک طرف وہ جن باتوں کو قرآن وحدیث کے حوالے سے انبیاء واولیاء کے حق میں شرک اور مخالف توحید قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف وہ انہی باتوں کو اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام سمجھتے ہیں۔

اس کتاب کے مندرجات کے ذریعہ میں مسلمانوں کی عدالت سے صرف اس بات کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جن باتوں کو علمائے دیوبند انبیاء واولیاء کے حق میں شرک قرار دیتے ہیں اگر قرآن وحدیث کی رو سے واقعتاً شرک ہیں تو پھر انہوں نے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کیوں جائز ٹھہرالیا ہے اور اگر قرآن وحدیث کی رو سے وہ شرک نہیں ہیں تو انبیاء و اولیاء کے حق میں انہوں نے کیوں شرک قرار دیا ہے؟

تصویر کے پہلے رُخ میں دیوبندی لٹریچر کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دیوبندی حضرات انبیاء واولیاء کے حق میں علم غیب اور قدرت وتصرف کا عقیدہ شرک اور منافی توحید سمجھتے نہیں۔

نوٹ...... تصویر کے دونوں رخوں میں دیوبندی کتابوں کے جتنے حوالے دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک حوالہ بھی غلط ثابت کرنے پر دس ہزار روپے انعام کا اعلان کیا جاتا ہے۔

ارشد القادری

تصویر کا پہلا رخ

دیوبندی جماعت کے امام اوّل مولوی اسماعیل صاحب لکھتے ہیں:۔

۱...... جو کوئی بات کہے کہ پیغمبر خدا یا کوئی امام یا بزرگ غیب کی بات جانتے تھے اور شریعت کے ادب سے منہ سے نہ کہتے تھے سو وہ بڑا جھوٹا ہے بلکہ غیب کی بات اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۷)

۲...... کسی انبیاء، اولیاء یا امام وشہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بلکہ حضرت پیغمبر کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے نہ ان کی تعریف میں ایسی بات کہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۶)

۳...... جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میرے پاس ایسا کچھ ہے کہ جب میں چاہوں اس سے غیب کی بات معلوم کرلوں اور آئندہ باتوں کو معلوم کرلینا میرے قابو میں ہے سو وہ بڑا جھوٹا ہے کہ دعویٰ خدائی کا کرتا ہے اور جو کوئی کسی نبی، ولی یا جن وفرشتہ کو امام یا امام زادے یا پیر وشہید، نجومی ورمال یا جفار کو یا فال دیکھنے والے کو یا برہمن رشی کو یا بھوت وپری کو ایسا جانے اور اس کے حق میں یہ عقیدہ رکھے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۱)

٤...... اور اس بات میں (یعنی غیب کی بات جاننے میں) اولیاء، انبیاء اور جن وشیطان اور بھوت وپری میں کچھ فرق نہیں۔ (ایضاً، ۸۰)

۵...... جو کوئی کسی کا نام اُٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور ونزدیک سے پکارا کرے یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں، زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو مجھ پر احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری وتندرستی وکشائش وتنگی، مرنا جینا، غم وخوشی سب کی ہر وقت اسے خبر رہتی ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال ووہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔ خواہ یہ عقیدہ انبیاء واولیاء سے رکھے خواہ پیر وشہید سے خواہ امام وامام زادے سے خواہ بھوت وپری سے پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے خواہ اللہ کے دیئے سے، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوگا۔ (تقویۃ الایمان ملخصاً ص ۱۰)

٦...... کچھ اس بات میں بھی ان کو بڑائی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب دانی اختیار میں دیدی ہو کہ جس کے دل میں احوال جب چاہیں معلوم کرلیں یا جس غیب کا جب چاہیں معلوم کرلیں کہ وہ جیتا ہے یا مر گیا یا کس شہر میں ہے یا جس آئندہ بات کو جب ارادہ کریں دریافت کرلیں کہ فلاں کے یہاں اولاد ہوگی یا نہ ہوگی یا اس سوداگری میں اس کو فائدہ ہوگا یا نہ ہوگا یا اس لڑائی میں فتح پاوے گا یا شکست کہ ان سب باتوں میں بھی سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان ہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۵)

۷...... اللہ صاحب نے پیغمبر صلعم کو فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ غیب کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن کوئی چیز یعنی غیب کی بات کو جان لینا کسی کے اختیار میں نہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص۴۲)

۸...... سو انہوں نے (یعنی رسولِ خدا نے) بیان کر دیا کہ مجھ کو نہ کچھ قدرت ہے نہ کچھ غیب دانی میری قدرت کا حال تو یہ ہے کہ اپنی جان و مال کے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کا تو کیا کر سکوں؟ اور غیب دانی اگر میرے قابو میں ہوتی تو پہلے ہر کام کا انجام معلوم کر لیتا اگر بھلا ہوتا تو اس میں ہاتھ ڈالتا اگر برا معلوم ہوتا تو کاہے کو اس میں قدم رکھتا غرض کہ قدرت اور غیب دانی مجھ میں نہیں اور کچھ خدائی کا دعویٰ نہیں رکھتا فقط پیغمبری کا مجھ کو دعویٰ ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص۴۴)

۹...... جو اللہ کی شان ہے اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملاؤ گے کتنا بڑا ہو اور کیسا ہی مقرب مثلاً یوں نہ بولے کہ اللہ و رسول چاہے گا تو فلانا کام ہو جائے گا کہ سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا یا کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں کی شادی کب ہو گی یا فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے ستارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر؟ (تقویۃ الایمان، ص۵۸)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں:۔

۱۰ ...... جو شخص اللہ جل شانہ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے وہ بے شک کافر ہے۔ اس کی امامت اور اس سے میل جول محبت ومودت سب حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱ص ۳۰)

۱۱ ...... علم غیب خاصۂ حق جل شانہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱ص ۳۰)

۱۲ ...... اور عقیدہ رکھنا کہ آپ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲ص ۱۱۴)

۱۳ ...... اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو شرک صریح ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۳ص ۱۷)

۱٤ ...... جو رسول ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا معتقد ہے وہ سادات حنفیہ (یعنی ائمہ احناف) کے نزدیک قطعاً مشرک وکافر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۳ص ۴۲)

۱۵ ...... علم غیب خاصۂ حق تعالیٰ کا ہے اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاع کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں۔ (ایضاً ص ۴۳)

۱٦ ...... جو شخص رسول اللہ ﷺ کو علم غیب جو خاصۂ حق تعالیٰ ہے ثابت کرے اس کے پیچھے نماز ناذرست ہے (لانہ کفر کیونکہ یہ کفر ہے)۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۳ص ۱۴۵)

۱۷ ...... جب انبیاء کو بھی علم غیب نہیں ہوتا تو یارسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۳)

دیو بندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:۔

۱۸ ...... کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر رہتی ہے (کفر و شرک ہے)۔ (بہشتی زیور، ج ۱ ص ۳۷)

۱۹ ...... کسی کو دور سے پکارنا اور سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی (کفر و شرک ہے)۔ (بہشتی زیور، ج ۱ ص ۳۷)

۲۰ ...... بہت اُمور میں آپ کا (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا خاص اہتمام سے توجہ فرمانا اور فکر و پریشانی میں واقع ہونا اور باوجود اس کے پھر مخفی رہنا ثابت ہے قصۂ افک میں آپ کی تفتیش واستکشاف بابلغ وجوہ صحاح میں مذکور ہے مگر صرف توجہ سے انکشاف نہیں ہوا۔ (حفظ الایمان ص ۷)

۲۱ ...... یا شیخ عبد القادر یا شیخ سلیمان کا وظیفہ پڑھنا جیسا عوام کا عقیدہ ہے اس کے مرتکب ہونے سے بالکل اسلام سے خارج ہو جاتا ہے مشرک بن جاتا ہے۔ (فتاویٰ امدادیہ، ج ۴ ص ۵۶)

دیو بندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی عبد الشکور صاحب لکھتے ہیں:

۲۲ ...... فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں سوائے خدا کے کسی کو غیب داں جاننا اور کہنا ناجائز لکھا ہے بلکہ اس عقیدے کو کفر قرار دیا ہے۔ (تحفۂ لاثانی، ص ۳۷)

۲۳ ...... حنفیہ نے اپنی فقہ کی کتابوں میں اس شخص کو کافر لکھا ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی غیب جانتے تھے۔ (تحفۂ لاثانی، ص ۳۸)

۲۴ ...... رسولِ خدا ﷺ کی ذات والا میں صفت علم غیب ہم نہیں مانتے اور جو مانے اس کو منع کرتے ہیں۔ (نصرت آسمانی، ص ۲۷)

۲۵ ...... ہم نہ نہیں کہتے کہ حضور ﷺ غیب جانتے تھے یا غیب داں تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو غیب کی باتوں پر اطلاع دی گئی فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق اسی غیب داں پر کرتے ہیں۔ نہ اطلاع یابی پر۔ (فتح حقانی، ص ۲۵)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:۔

۲۶...... رسول اور امت رسول اس حد تک مشترک ہیں کہ دونوں کو علم غیب نہیں۔ (فاران کا توحید نمبر، ص ۱۱۴)

۲۷...... حضرت سید الاولین والآخرین کیلئے علم غیب کا دعویٰ اور وہ بھی علم کلی اور علم ما کان وما یکون کی قید کیساتھ نہ صرف بے دلیل اور بے سند ہے بلکہ مخالف دلیل، معارض قرآن اور اس توحیدی شریعت کے مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہے۔ (توحید نمبر، ص ۱۱۷)

۲۸...... علم ما کان وما یکون خاصہ خداوندی ہے جس میں کوئی بھی غیر اللہ اس کا شریک نہیں ہوسکتا۔ (توحید نمبر، ص ۱۲۹)

۲۹...... کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر علم کی تقسیم یوں نہ ہوگی کہ اللہ کا ذاتی علم' رسولوں کے علم عطائی یعنی نوعی فرق کے ساتھ دونوں برابر ہے گویا ایک حقیقی خدا ایک مجازی خدا۔ (توحید نمبر، ص ۱۲۱)

۳۰...... یہ آیت تا قیامت یہی اعلان کرتی رہے گی کہ آپ کو علم غیب نہ تھا اس کے معنی یہ ہے کہ قیامت تک آپ کو علم غیب نہ ہوگا۔ (توحید نمبر، ص ۱۳۶)

دیوبندی کے دینی پیشوا مولوی منظر نعمانی لکھتے ہیں:

۳۱...... جس طرح محبت عیسوی کے پودے میں الوہیت مسیح کے عقیدے نے نشو ونما پائی اور جیسے کہ حب اہل بیت کے نام پر رفض کو ترقی ہوئی اسی طرح حب نبوی اور عشق رسالت کا رنگ دے کر مسئلہ علم غیب کو بھی فروغ دیا جارہا ہے اور بیچارے عوام محبت کا ظاہری عنوان دیکھ کر برابر اس پر ایمان لارہے ہیں۔ (الفرقان شمارہ ۵ ج ۶ ص ۱۱)

۳۲...... چونکہ عقیدہ علم غیب کا یہ زہر محبت کے دودھ میں ملا کر امت کے حلقوں میں سے پلایا جارہا ہے اس لئے یہ ان تمام گمراہانہ اعتقادات سے زیادہ خطرناک اور توجہ کا محتاج ہے جن پر محبت اور عقیدت کا ملمع نہیں کیا گیا ہے۔ (الفرقان شمارہ ۵ ج ۶ ص ۱۳)

۳۳...... صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مفاتح الغیب جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ پانچ ہیں جو سورۂ لقمان کی آخری آیت میں مذکور ہیں یعنی قیامت کا وقت مخصوص، بارش کا ٹھیک وقت کہ کب نازل ہوگی، ما فی الارحام یعنی عورت کے پیٹ میں کیا ہے بچہ یا بچی، مستقبل کے واقعات، موت کا صحیح مقام۔ (فتح بریلی کا دلکش نظارہ، ص ۸۵)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کہتے ہیں:۔

۳٤......ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا علم ان امور (یعنی روئے زمین) کے بارے میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔ (براہین قاطعہ، ص ۵۲)

۳۵......شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو (یعنی رسول خدا کو) دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (براہین قاطعہ، ص ۵۱)

۳٦......بحرالرائق، عالمگیری، درمختار وغیرہ میں ہے کہ اگر کوئی نکاح کرے بہ شہادت حق تعالیٰ وفخر عالم علیہ السلام کے تو کافر ہوجاتا ہے بہ سبب اعتقاد علم غیب کے فخر عالم کی نسبت۔ (براہین قاطعہ، ص ۴۲)

دیوبندی جماعت کے متفرق حضرات کی عبارتیں:۔

۳۷......ان لوگوں کو اپنے دماغ کی مرمت کرانی چاہئے جو یہ لغوترین اور احمقانہ دعوے کرتے ہیں کہ رسول اللہ کو علم غیب تھا۔

(عامر عثمانی تجلی دیوبند بابت دسمبر ۱۹٦۰ء)

۳۸......الوہیت اور علم غیب کے درمیان ایک ایسا گہرا تعلق ہے کہ قدیم ترین زمانے سے انسان نے جس ہستی میں بھی خدائی کے کسی شائبے کا گمان کیا ہے اس کے متعلق یہ خیال ضرور کیا ہے کہ اس پر سب کچھ روشن ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

(مولانا مودودی الحسنات رام پور)

۳۹...... حضرت یعقوب (علیہ السلام) اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے مگر برسوں تک اپنے پیارے اور چہیتے بیٹے یوسف کی خبر نہ معلوم کر سکے کہ اُن کا نورِ نظر کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ (ماہر القادری فاران کا توحید نمبر، ص ۱۳)

٤٠......اگر حضور عالم الغیب ہوتے تو (حدیبیہ میں حضرت عثمان کی شہادت کی) افواہ سنتے ہی فرمادیتے کہ یہ خبر غلط ہے عثمان مکہ میں زندہ ہیں صحابہ کرام کی اتنی بڑی جماعت تک کو اصل واقعہ کا کشف نہیں ہوتا۔ (ماہر القادری فاران کا توحید نمبر، ص ۱۴)

تصویر کا دوسرا رخ

اگر کسی طرح بدگمانی کو راہ نہ دی جائے تو تصویر کے پہلے رخ میں مسئلہ علم غیب اور قدرت وتصرف پر دیوبندی علماء کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں انہیں پڑھنے کے بعد ایک خالی الذہن آدمی قطعاً یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے گا کہ رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و اولیاء کے حق میں علم غیب اور قدرت وتصرف کا عقیدہ یقیناً توحید کے منافی اور کھلا ہوا کفر ہے اور لازماً اسے علمائے دیوبند کے ساتھ یہ خوش عقیدگی ہوگی کہ وہ مذہب توحید کے سچے علمبردار اور کفر وشرک کے معتقدات کے خلاف وقت کے سب سے بڑے مجاہد ہیں۔

لیکن آہ! میں کن لفظوں میں اس سربستہ راز کو بے نقاب کروں کہ اس خاموش سطح کے نیچے ایک نہایت خوفناک طوفان چھپا ہوا ہے۔ تصویر کے اس رخ کی دل کشی اس وقت تک باقی ہے جب تک کہ دوسرا رخ نگاہوں سے اوجھل ہے یقین کرتا ہوں کہ پردہ اُٹھ جانے کے بعد توحید پرستی کی ساری گرم جوشیوں کا ایک آن میں بھرم کھل جائے گا۔

قبل اس کے کہ میں اصل حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھاؤں آپ کے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں......

فرض کیجئے! اگر آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ علم غیب سے لیکر تصرف واختیار تک جن جن باتوں کے اعتقاد کو دیوبندی جماعت کے ان پیشواؤں نے رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و اولیاء کے حق میں کفر وشرک اور منافی توحید قرار دیا ہے انہی ساری باتوں کو وہ اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں جائز بلکہ واقع تسلیم کرتے ہیں تو آپ کے ذہنی واردات کی کیا کیفیت ہوگی؟ کیا اس صورت حال کو آپ مذہبی تاریخ کا سب سے بڑا فریب قرار نہیں دیں گے اور اس سنسنی خیز انکشاف کے بعد آپ کے ذہن کی سطح پر ان حضرات کی جو تصویر اُبھرے گی کیا وہ رہگذر کے ان ٹھگوں سے کچھ مختلف ہوگی جو آنکھوں میں دھول جھونک کر مسافروں کو لوٹ لیا کرتے ہیں۔

اگر حالات کا یہ ردِّعمل فطرت کے عین مطابق ہے تو سن لیجئے جو صورت حال آپ نے فرض کی تھی وہ مفروضہ نہیں بلکہ امر واقعہ ہے ہمارے اس پیش لفظ پر آپ اعتماد نہ کر سکیں تو ذہنی طور پر ایک حیرت انگیز تبدیلی کیلئے تیار ہو کر ورق الٹئے اور دیوبندی جماعت کے پیشواؤں کے وہ واقعات پڑھئے جن میں عقیدۂ توحید اور اسلام وایمان کی سلامتی کے سوا سب کچھ ہے۔

غیب دانی کا اعتقاد، دلوں کے خطرات پر اطلاع، سینکڑوں میل کی مسافت سے مخفیات کا علم، ماں کے پیٹ میں کیا ہے، بارش کب ہوگی، کل آئندہ کیا پیش آئے گا، کون کب مرے گا، کس کی وفات کہاں ہوگی، دیوار کے پیچھے کا علم کیا ہے، اپنے ارادہ تصرف سے مارنا، شفا بخشنا، بارش روک دینا، بارش برسانا، امداد اور دستگیری کیلئے آن واحد میں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر دور دور پہنچ جانا، تصور کرتے ہی سامنے موجود ہونا سارے جہان کا ایک نظر میں احاطہ کر لینا، یہ سمجھنا کہ ہر وقت ہمارے دل کے احوال کی خبر رکھتے ہیں، یہ سمجھنا کہ تصور کرتے ہی باخبر ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہی ساری باتیں جنہیں علمائے دیوبند کے مذکورۃ الصدر کتابوں میں صرف خدا کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور غیر خدا یہاں تک کہ رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں بھی اس طرح اعتقادات کو کفر وشرک قرار دیا گیا ہے۔

لیکن کمال حیرت کے ساتھ یہ خبر وحشت اثر سنئے کہ یہی خدائی کا منصب، یہی کھلا ہوا کفر وشرک اور یہی توحید کے منافی اعتقادات علمائے دیوبند نے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں بے چون وچرا تسلیم کر لئے ہیں۔

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے اور الگ الگ ہر باب میں دیوبندی جماعت کے بزرگوں کے وہ واقعات وحالات جمع کئے گئے ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد آپ کے دماغ کا تار جھنجھنا اُٹھے گا اور ان حضرات کی توحید پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

ہم نہ کہتے تھے اے داغ تو زلفوں کو نہ چھیڑ
اب وہ برہم ہے تو ہے تجھ کو قلق یا ہم کو

پہلا باب — بانی دارالعلوم دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے بیان میں

اس باب میں دیوبندی لٹریچر سے مولانا محمد قاسم نانوتوی سے متعلق وہ واقعات وحالات جمع کیے گئے ہیں جن میں عقیدۂ توحید سے تصادم، اپنے مذہب سے انحراف اور اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں منہ بولے کفر وشرک کو اسلام وایمان بنا لینے کے حیرت انگیز نمونے ورق ورق بکھرے ہوئے ہیں انہیں پڑھئے اور مذہبی تاریخ میں پہلی بار ایک عجیب طلسم فریب کا تماشا دیکھئے!

سلسلہ واقعات — وفات کے بعد مولوی قاسم نانوتوی کا جسم ظاہر کے ساتھ مدرسہ دیوبند میں آنا

قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں مولوی رفیع الدین صاحب مدرسہ کے مہتمم تھے، دارالعلوم کے صدر مدرسین کے درمیان آپس میں کچھ نزاع چھڑ گئی آگے چل کر مدرسہ کے صدر مدرس مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس ہنگامے میں شریک ہوگئے اور جھگڑا طول پکڑ گیا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ قاری طیب صاحب ہی کی زبانی سنئے...... موصوف لکھتے ہیں:۔

اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نمازِ فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری (جسم ظاہری) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا لبادہ تربتر ہوگیا اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے بس میں نے یہ کہنے کیلئے بلایا ہے۔ مولانا محمود الحسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصے میں کچھ نہ بولوں گا۔

(ارواح ثلاثہ، ص ۲۴۲)

مولوی نانوتوی صاحب کا خدائی تصرف

اب ایک نیا تماشہ اور ملاحظہ فرمایئے۔قاری صاحب کی اس روایت پر دیوبندی مذہب کے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنا ایک نیا حاشیہ چڑھایا ہے جس میں بیان کردہ واقعہ کی توثیق کرتے ہوئے موصوف نے تحریر کیا ہے:۔

یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسدِ عنصری کے۔دوسری صورت یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کرلیا ہو۔ (ارواح ثلثہ، ص ۲۴۳)

لا الہ الا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس واقعہ کے ساتھ کتنے مشرکانہ عقیدے لپٹے ہوئے ہیں۔پہلا عقیدہ تو مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے حق میں علمِ غیب کا ہے کیونکہ ان حضرات کے تیئں اگر انہیں علم غیب نہیں تھا تو عالمِ برزخ میں انہیں کیونکر خبر ہوگئی کہ مدرسہ دیوبند میں مدرسین کے درمیان سخت ہنگامہ ہوگیا ہے یہاں تک کہ مدرسہ کے صدر مدرس مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس میں شامل ہوگئے ہیں چل کر انہیں منع کردیا جائے۔

اور پھر ان کی روح کی قوتِ تصرف کا کیا کہنا کہ تھانوی صاحب کے ارشاد کے مطابق اس جہانِ خاکی میں دوبارہ آنے کیلئے اس نے خود ہی آگ، پانی اور ہوا، مٹی کا ایک انسانی جسم تیار کیا اور خود ہی اس میں داخل ہوکر زندگی کے آثار اور نقل وحرکت کی قوتِ ارادی سے مسلح ہوئی اور لحد سے نکل کر سیدھے دیوبند مدرسہ میں چلی آئی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی روح کیلئے یہ خدائی اختیارات کو بلاچون وچرا مولوی رفیع الدین صاحب نے بھی تسلیم کرلیا مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس پر آنکھ بند کرکے ایمان لے آئے اور تھانوی صاحب کا کیا کہنا کہ انہوں نے تو جسمِ انسانی کا خالق ہی اسے ٹھہرادیا اور اب قاری طیب صاحب اس کی تشہیر فرما رہے ہیں!

ان حالات میں ایک صحیح الدماغ آدمی یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ روح کے جو تصرفات واختیارات اور غیبی علم وادراک کی جو قوتیں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے مقربین کے حق میں تسلیم کرنا یہ حضرات کفر وشرک سمجھتے ہیں وہی 'اپنے مولانا' کے حق میں کیونکر اسلام وایمان بن گیا ہے؟

کیا یہ صورتِ حال اس حقیقت کو واضح نہیں کرتی کہ ان حضرات کے یہاں کفر وشرک کی یہ تمام بحثیں صرف اس لئے ہیں کہ انبیاء واولیاء کی حرمتوں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے ورنہ خالص عقیدہ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کے درمیان قطعاً کوئی تفریق روا نہ رکھی جاتی۔

ایک اور حیرت انگیز واقعہ

دیوبندی جماعت کے مشہور فاضل مولوی مناظر احسن گیلانی کے سوانح قاسمی کے نام سے مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی ایک ضخیم سوانح حیات لکھی ہے جسے دارالعلوم دیوبند نے خود اپنے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

اپنی اس کتاب میں مولوی محمود الحسن صاحب کے حوالے سے انہوں نے کسی 'واعظ مولانا' کے ساتھ ایک دیوبندی طالبِ علم کا ایک بڑا ہی عجیب وغریب مناظرہ نقل کیا ہے۔ اس دیوبندی طالبِ علم کے متعلق موصوف کے بیان کا یہ قصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے...... لکھتے ہیں کہ

وہ پنجاب کی طرف کسی علاقے میں چلا گیا اور کسی قصبہ کی مسجد میں لوگوں نے ان کو امام کی جگہ دے دی۔ قصبہ والے ان سے کافی مانوس ہو گئے اور اچھی گزر بسر ہونے لگی۔ اسی عرصہ میں کوئی مولوی صاحب گشت کرتے ہوئے اس قصبہ میں بھی آ دھمکے۔ وعظ وتقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ لوگ ان کے کچھ معتقد ہوئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ یہاں کی مسجد کا امام کون ہے؟ کہا گیا دیوبند کے پڑھے ہوئے ایک مولوی صاحب ہیں۔

دیوبندی کا نام سننا تھا کہ واعظ مولانا صاحب آگ بگولہ ہو گئے اور فتویٰ دیدیا کہ اس عرصہ میں جتنی نمازیں اس دیوبندی کے پیچھے تم لوگوں نے پڑھی ہیں وہ سرے سے ادا ہی نہیں ہوئیں۔ اور جیسا کہ دستور ہے دیوبندیہ ہیں، وہ ہیں، یہ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اسلام کے دشمن ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عداوت رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قصباتی مسلمان بیچارے سخت حیران ہوئے کہ مفت میں اس مولوی پر روپے بھی برباد ہوئے اور نمازیں بھی برباد ہوئیں۔ ایک وفد اس غریب دیوبندی امام کے پاس پہنچا اور مستدعی ہو کہ مولانا واعظ صاحب جو ہمارے قصبہ میں آئے ہیں ان کے جو الزامات ہیں ان کا جواب دیجئے یا پھر بتائیے کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ کیا کریں۔ جان بھی غریب کی خطرے میں آگئی اور نوکری وکری کا قصہ تو ختم شدہ ہی معلوم ہونے لگا چونکہ علمی مواد بھی ان کا معمولی تھا، خوفزدہ ہوئے کہ خدا جانے یہ واعظ مولانا صاحب کس پائے کے عالم ہیں؟ منطق وفلسفہ بگھاریں گے اور میں غریب اپنا سیدھا سادھا ملا ہوں ان سے بازی لے بھی سکتا ہوں یا نہیں؟ تاہم ناچارہ کار اسکے سوا اور کیا تھا مناظرہ کا وعدہ ڈرتے کرلیا تاریخ ومحل ومقام سب کا مسئلہ طے ہو گیا۔ واعظ مولانا صاحب بڑاز بردست عمامہ طویلہ وعریضہ سر پر لپیٹے ہوئے کتابوں کے پشتارے کیساتھ مجلس میں اپنے حواریوں کیساتھ جلوہ فرما ہوئے۔ ادھر یہ غریب دیوبندی امام، منحنی وضعیف، مسکین شکل، مسکین آواز، خوفزدہ، لرزاں وترساں بھی اللہ اللہ کرتے ہوئے سامنے آیا۔

سننے کی بات یہی ہے جو اس کے بعد اس دیوبندی امام مولوی نے مشاہدہ کے بعد بیان کی، کہتے تھے کہ مولانا واعظ صاحب کے سامنے میں بھی بیٹھ گیا ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شخص اور جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ بھی آ کر بیٹھ گیا اور مجھ سے وہ اجنبی اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے گفتگو شروع کرو اور ہرگز نہ ڈرو۔ دل میں غیر معمولی قوت اس سے پیدا ہوئی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ دیوبندی امام صاحب کا بیان ہے کہ میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں جس کا جواب مولانا واعظ صاحب نے ابتداء میں تو دیا لیکن سوال و جواب کا سلسلہ ابھی زیادہ دراز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک دفعہ مولانا واعظ صاحب کو دیکھتا ہوں کہ اُٹھ کھڑے ہوئے میرے قدموں پر سر ڈالے ہوئے رو رہے ہیں پگڑی بکھری ہوئی ہے اور کہتے جاتے ہیں، میں نہیں جانتا تھا آپ اتنے بڑے عالم ہیں۔ اللہ معاف کیجئے! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہی صحیح اور دُرست ہے میں ہی غلطی پر تھا۔

یہ منظر ہی ایسا تھا کہ مجمع دم بخود تھا کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا دیکھ رہا تھا۔ دیوبندی امام صاحب نے کہا کہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت میری نظر سے اس کے بعد اوجھل اور کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون تھے اور یہ قصہ کیا تھا۔ (سوانح قاسمی، ج ا ص ۳۳۰، ۳۳۱)

یہاں تک اصل قصہ بیان کر چکنے کے بعد اب مولوی مناظر احسن گیلانی ایک نہایت پر اسرار اور حیرت انگیز واقعہ کی نقاب کشائی فرماتے ہیں دراصل ان کے بیان کا یہی حصہ ہماری بحث کا مرکزی نقطہ ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخ الہند (یعنی مولانا مولوی محمود الحسن صاحب) فرماتے تھے میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کا حلیہ کیا تھا؟ حلیہ جو بیان کیا فرماتے تھے کہ سنتا جاتا تھا اور حضرت الاستاذ (یعنی مولوی قاسم نانوتوی) کا ایک خال و خط نظر کے سامنے آتا چلا گیا جب وہ بیان کر چکے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ تو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے وہ تمہاری امداد کیلئے حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ (سوانح قاسمی، ج ا ص ۳۳۲)

ملاحظہ کیجئے! قصہ آرائی سے قطع نظر اس ایک واقعہ کے اندر مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے حق میں کتنے مشرکانہ عقائد کا برملا اعتراف کیا گیا ہے۔

اوّلاً یہ کہ نہایت فراخ دلی کیساتھ ان کے اندر غیب دانی کی قوت بھی مان لی گئی جس کے ذریعے انہیں عالم برزخ ہی میں معلوم ہو گیا کہ ایک دیوبندی امام فلاں مقام پر میدانِ مناظرہ میں یکہ و تنہا بے بسی کی حالت میں دم توڑ رہا ہے چل کر اس کی مدد کی جائے۔

دوسرے یہ کہ ان کے حق میں یہ قوت تصرف بھی تسلیم کرلی گئی کہ وہ اپنے جسم ظاہری کے ساتھ اپنی لحد سے نکل کر جہاں چاہیں بے روک ٹوک جاسکتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ مرنے کے بعد زندوں کی مدد کرنے کا اختیار چاہے دیوبندی حضرات کے تئیں انبیاء واولیاء کیلئے بھی ثابت نہ ہو لیکن اپنے مولانا کیلئے ضرور ثابت ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ صورتِ حال کیا ہے اس یقین کو تقویت نہیں پہنچاتی کہ ان حضرات کے یہاں کفروشرک کی یہ تمام بحثیں صرف اس لئے ہیں کہ انہیں انبیاء واولیاء کی حرمتوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے ورنہ خاص عقیدہ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کی تفریق روا نہ رکھی جاتی۔

اپنے ہی ہاتھوں اپنے مذہب کا خون

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ بیان کرچکنے کے بعد مولوی احسن گیلانی کو اچانک یاد آیا کہ ہمارے یہاں تو ارواحِ انبیاء تک کیلئے بھی زندوں کی مدد کرنے کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ اپنے مشرب میں ہم اس طرح کے تصورات کو 'مشرکانہ عقائد' سے تعبیر کرتے آرہے ہیں پھر اتنے واضح، مسلسل اور متواتر انکار کے بعد اپنے مولانا کے ذریعے غیبی امداد کا یہ قصہ کیوں نباہا جاسکے گا؟

یہ سوچ کر بجائے اس کے کہ اپنے مسلک کو بچانے کیلئے موصوف اس مصنوعی قصے کا انکار کرتے انہوں نے مولانا کا 'خدائی اختیار' ثابت کرنے کیلئے اپنے اصل مذہب ہی کا انکار کردیا۔

میں یقین کرتا ہوں کہ مذہبی انحراف کی اسی شرمناک مثال کسی فرقے کی تاریخ میں شاید ہی مل سکے گی۔ واقعہ بیان کرچکنے کے بعد کتاب کے حاشیہ میں موصوف ارشاد فرماتے ہیں، حیرت میں ڈوب کر 'یہ' ان کہی پڑھئے اور اور علم و دیانت کا ایک تازہ خون اور ملاحظہ فرمایئے...... لکھتے ہیں کہ

وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں علمائے دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہلسنّت والجماعت کا ہے۔ آخر جب ملائکہ جیسی روحانی ہستیوں سے خود قرآن ہی میں ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی امداد کراتے ہیں۔

صحیح حدیثوں میں ہے کہ واقعہ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تخفیف صلوٰۃ کے مسئلے میں امداد ملی اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں، بشارتیں ملیں تو اس قسم کی ارواح طیبہ سے کسی مصیبت زدہ مومن کی امداد کا کام قدرت اگر لے تو قرآن کی کس آیت یا کس حدیث سے اس کی تردید ہوتی ہے؟ (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ۱ص ۳۳۲)

اے سبحان اللہ! ذرا غلبہ حق کی شان تو دیکھئے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں کل تک جو سوال ہم ان سے کرتے تھے آج وہی سوال وہ اپنے آپ سے کر رہے ہیں اب اس سوال کا جواب تو انہی لوگوں کے ذمہ ہے جنہوں نے ایک خاص اسلامی عقیدے کو کفر و شرک کا نام دے کر اصل حقیقت کا چہرہ مسخ کیا ہے اور جس کے کئی صفحات پر پھیلے ہوئے نمونے آپ 'تصویر کے پہلے رخ' میں پڑھ چکے ہیں۔

تاہم گیلانی صاحب کے اس حاشیے سے اتنی بات ضرور صاف ہوگئی کہ جو لوگ وفات یافتہ بزرگوں کی روح سے امداد کے قائل ہیں وہی فی الحقیقت اہل سنت والجماعت ہیں اب انہیں بدعتی کہہ کر پکارنا نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو جھٹلانا ہے بلکہ اخلاقی رذائل سے اپنی زبان و قلم کی آلودگی کا مظاہرہ بھی کرنا ہے۔ حاشیے کی عبارت کا یہ حصہ بھی دیدۂ حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔۔۔۔۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اور سچ تو یہ ہے کہ آدمی کو عام طور پر جو امداد بھی مل رہی ہے حق تعالیٰ اپنی مخلوقات ہی سے تو یہ امدادیں پہنچا رہے ہیں۔ روشنی آفتاب سے ملتی ہے دودھ ہمیں گائے اور بھینس سے ملتا ہے یہ تو ایک واقعہ ہے بھلا یہ بھی انکار کرنے کی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔

(حاشیہ سوانح قاسمی، ج ا ص ۳۳۲)

انکار کی کیا بات پوچھتے ہیں کہ آپ کے یہاں تو اس ایک مورچے پر نصف صدی سے جنگ لڑی جارہی ہے معرکہ کارزار میں حقائق کی تڑپتی ہوئی لاشیں آپ نہیں دیکھ پاتے تو اپنے ہی قلم کی تلوار سے لہو کی ٹپکتی ہوئی بوند ملاحظہ فرمالیجئے۔

حاشیہ کی عبارت جس حصے پر تمام ہوئی ہے اس میں اعتراف حق کا مطالبہ اس قدر بے قابو ہوگیا ہے کہ تحریر کے نقوش سے آواز آرہی ہے اہل حق کو بغیر کسی لشکر کشی کے اپنے مسلک کی یہ فتح مبین مبارک ہو۔ ارشاد فرماتے ہیں' پس بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں۔ (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ا ص ۳۳۲)

اللہ اکبر! دیکھ رہے ہیں آپ؟ قصہ آرائی کو واقعہ بنانے کیلئے یہاں کتنی بے دردی کے ساتھ مولانا نے اپنے مذہب کا خون کیا ہے۔ جو عقیدہ نصف صدی سے پوری جماعت کے ایوان فکر کا سنگ بنیاد رہا ہے اسے ڈھا دینے میں موصوف کو ذرا بھی تامل نہیں ہوا۔

اعتقاد و عمل کے درمیان شرمناک تصادم

سر بہ گریباں ہو کر علم و دیانت کی پامالی کا ذرا یہ تماشا ملاحظہ فرمایئے کہ سوانح قاسمی نامی کتاب خاص دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے قاری طیب مہتمم بذاتِ خود اس کے پبلشر ہیں اپنے حلقہ اثر میں کتاب کی ثقاہت کسی رخ سے بھی مشکوک نہیں کہی جاسکتی لیکن حیرت ہے کہ نانوتوی صاحب کا مافوق البشر ثابت کرنے کیلئے دیوبندی جماعت کے ان مشاہیر نے ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا انکار کردیا ہے جسے اب وہ چھپانا بھی چاہیں تو نہیں چھپا سکتے۔ مثال کے طور پر وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں دیوبندی حضرات کا اصل مذہب کیا ہے؟ اسے معلوم کرنے کیلئے دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کی یہ عبارت پڑھیے:۔

مرادیں پوری کرنا حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، برے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء و اولیاء، پیر و شہید کی، بھوت و پری کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور اس توقع پر نذر و نیاز اور اس کی منتیں مانے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ (تعالیٰ) نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص۱۰)

یہ ہے **عقیدہ** کہ مردہ و زندہ نبی اور ولی کسی کے اندر بھی مراد پوری کرنے، حاجت برلانے، بلا ٹالنے، مشکل میں دستگیری کرنے اور برے وقت میں پہنچنے کی کوئی طاقت و قدرت نہیں ہے نہ ذاتی نہ عطائی۔

اور وہ ہے **عمل** کہ نانوتوی صاحب وفات کے بعد حاجت بھی برلائے، بلا بھی ٹال دی اور برے وقت میں اس شان سے پہنچے کہ سارے جہاں میں ڈنکا بج گیا۔

ایک ہی بات جو ہر جگہ شرک تھی سب کیلئے شرک تھی ہر حال میں شرک تھی، جب 'اپنے مولانا' کی بات آگئی اچانک اسلام بن گئی، ایمان بن گئی اور امر واقعہ بن گئی۔

اور پھر دلوں کا ایک ہی عقیدہ جب تک اس کا تعلق نبی اور ولی سے تھا تو سارا قرآن اس کے خلاف، ساری احادیث اس سے مزاحم اور سارا اسلام اس کی بیخ کنی میں تسلیم کرلیا گیا۔ لیکن صرف تعلق بدل گیا اور نبی و ولی کی جگہ 'اپنے مولانا' کی بات آگئی تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اب سارا قرآن اس کی حمایت میں، ساری احادیث اسکی تائید میں اور سارا اسلام اس کی پشت پناہ میں ہے۔

تمہارے زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں ہے

اپنی تکذیب کی ایک شرمناک مثال

بات درمیان میں آگئی ہے تو وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں دیو بندی جماعت کے مشہور مناظر مولوی منظور نعمانی کا ایک اداریہ پڑھتے چلیے جسے انہوں نے ماہنامہ 'الفرقان' لکھنؤ میں سپردِ قلم کیا ہے تاکہ اس مسئلے میں دیو بندی جماعت کا اصل ذہن آپ پر واضح ہوجائے...... موصوف لکھتے ہیں:۔

جن بندوں کو اللہ نے کوئی ایسی قابلیت دے دی ہے جس سے وہ دوسروں کو بھی نفع یا امداد پہنچا سکتے ہیں جیسے حکیم، ڈاکٹر، وکیل وغیرہ تو ان کے متعلق ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ ان میں کوئی غیبی طاقت نہیں اور ان کے اپنے قبضہ میں کچھ بھی نہیں ہے اور یہ بھی ہماری ہی طرح اللہ کے محتاج بندے ہیں بس اتنی سی بات ہے کہ اللہ نے انہیں عالم اسباب میں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم ان سے فلاں کام میں مدد لے سکتے ہیں۔

اس بناء پر ان سے کام لینے اور اعانت حاصل کرنے میں شرک کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے شرک جب ہوتا ہے جب کسی ہستی کو اللہ کے قائم کیے ہوئے اس ظاہری سلسلۂ اسباب سے الگ غیبی طور پر اپنے ارادہ اختیار سے کارفرما اور متصرف سمجھا جائے اور اس اعتقاد کی بناء پر اپنی حاجتوں میں مدد مانگی جائے۔ (الفرقان جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ، ص ۲۵)

واضح رہے کہ دارالعلوم دیو بند کے 'واقعہ نزاع' اور قصۂ مناظرہ میں نانوتوی صاحب کے متعلق جو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان تمام واقعات میں ظاہری سلسلہ اسباب سے الگ غیبی طور پر ہی ان کی امداد و تصرف کا عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے اب تو اس کے شرک ہونے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہ جاتا۔

اداریہ کی عبارت جس حصے پر تمام ہوئی وہ بھی خاص توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے قلم کی نوک سے روشنائی کی جگہ زہر ٹپک رہا ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ مسلمان کہلانے والے قبوریوں اور تعزیہ پرستوں کو دیکھ لیجیے، شیطان نے ان مشرکانہ اعمال کو ان کے دلوں میں ایسا اُتار دیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی کوئی بات سننے کے روادار نہیں۔

میں تو انہی لوگوں کو دیکھ کر اگلی امتوں کے شرک کو سمجھتا ہوں۔ اگر مسلمانوں میں یہ لوگ نہ ہوتے تو واقعہ یہ ہے کہ میرے لئے اگلی امتوں کے شرک کو سمجھنا بڑا مشکل ہوتا۔ (الفرقان، ص ۳۰)

توحید پرستی کا ذرا یہ غرہ ملاحظہ فرمایئے کہ موصوف کو مسلمانوں کا چھپا ہوا شرک تو نظر آ گیا لیکن اپنے گھر کا 'عریاں شرک' نظر نہیں آیا کتنی معصومیت کیساتھ آپ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں میں یہ لوگ نہ ہوتے تو میرے لئے اگلی امتوں کے شرک کو سمجھنا مشکل تھا' میں کہتا ہوں مشکل کیوں ہوتا؟ شرک سمجھنے کیلئے گھر ہی میں کس بات کی کمی تھی خدا کا دیا ہوا سب کچھ تھا۔

سچ پوچھئے تو اسی طرح خود فریبیوں کا جادو توڑنے کیلئے میرے ذہن میں زیر نظر کتاب کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا کہ اصحاب عقل وانصاف واضح طور پر محسوس کرلیں کہ جو لوگ دوسروں پر شرک کا الزام عائد کرتے ہیں اپنے نامۂ اعمال کے آئینے میں وہ خود کتنے بڑے مشرک ہیں۔

ایک اور عبرتناک کہانی

بحث کے خاتمے پر اس سلسلے کی ایک اور عبرتناک کہانی سن لیجئے تاکہ حسن ظن کی حجت بھی تمام ہوجائے۔ ہندوستان کے اندر وفات یافتہ بزرگوں میں سلطان الاولیاء حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظمت خداداد اور ان کی روحانیت کا فیضانِ عام آٹھ سو برس کی تاریخ کا ایک جانا پہچانا واقعہ ہے لیکن جذبۂ دل کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ دیوبندی جماعت کے مذہبی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے سرکار خواجہ کے سنگ در کا رشتہ بت خانے کی دہلیز کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ جیسا کہ تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مرتب ان کی ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے خود ان کا یہ منہ بولا بیان نقل کرتا ہے کہ

ایک انگریز نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات میں یہ نے دیکھی کہ اجمیر میں ایک مردہ کو دیکھا کہ اجمیر میں پڑا ہوا سارے ہندوستان پر سلطنت کررہا ہے۔ (کمالات اشرفیہ،ص ۲۵۲)

انگریز کا یہ قول نقل کرنے کے بعد تھانوی صاحب نے ارشاد فرمایا، واقعی خواجہ صاحب کے ساتھ لوگوں کو بالخصوص ریاست کے امراء کو بہت ہی عقیدت ہے (اس پر) خواجہ عزیز الحسن نے عرض کیا کہ جب فائدہ ہوتا ہوگا تبھی عقیدت ہے (تھانوی صاحب نے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا حسن ظن ہو ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں۔ اسطرح تو بت پرستوں کو بت پرستی میں بھی فائدہ ہوتا ہے یہ کوئی دلیل تھوڑا ہے، دلیل ہے شریعت! (کمالات اشرفیہ،ص ۲۵۲)

بت پرستی کے فوائد کی تفصیل تو تھانوی صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ سب سے پہلے اس نکتے سے وہی روشناس ہوئے ہیں لیکن غیرت سے ڈوب مرنے کی بات تو یہ ہے کہ ایک منکر اسلام دشمن اور 'ایک کلمہ گو دوست' کی نگاہوں کا فرق ذرا ملاحظہ فرمایئے دشمن کی نظر میں سرکار خواجہ کشور ہند کے سلطان کی طرح جگمگا رہے ہیں جبکہ دوست کی نگاہ انہیں پتھر کے صنم سے زیادہ حیثیت نہیں دیتی۔

اس مقام پر مجھے اتنی بات کہنی ہے کہ ایمان کی آنکھوں کا چراغ اگر گل نہیں ہوگیا ہے تو ایک طرف دیوبندی مشاہیر کے ذہن میں نانوتوی صاحب کا وہ سراپا دیکھئے! کتنا کارساز، کتنا بااختیار اور کبریائی قدرتوں سے کتنا مسلح نظر آتا ہے کہ دستگیری اور چارہ گری کیلئے وہ نیازمندوں کو اپنے مرقد تک بھی آنے کی زحمت نہیں دیتے۔

جہاں ذرا سی آنچ محسوس ہوئی خود عالم برزخ سے دوڑے چلے آتے ہیں اور اپنی کارسازی کا جلوہ دکھا کر واپس جاتے ہیں اور آتے بھی ہیں تو اپنے اسی پیکر مانوس میں کہ دیکھنے والے انہیں ماتھے کی آنکھوں سے دیکھیں اور پہچان لیں۔

لیکن وائے رے دل حرماں نصیب کی تابکاری کہ دوسری طرف اسی زمین میں خواجہ ہند کا جو تصور اُبھرتا ہے اس میں ان کے روحانی اقتدار کے اعتراف کیلئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے جسم ظاہری کی محسوس شوکتوں، طلعتوں اور عطر بیز نکہتوں کے ساتھ غم نصیب تک پہنچنے کی بات تو بڑی ہے کہ یہ حضرات تو ان کے متعلق اتنی بات بھی تسلیم کرنے کے روادار نہیں ہیں کہ ان کے کاکل ورخ کی جلوہ گاہ ہی میں پہنچ کر بھی کوئی فیضیاب ہوسکتا ہے!

اور جسارت ناروا کی انتہا تو یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں عطائے رسول کی تربت اور ایک بت خانے کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں ہے نفع رساں اور فیض بخشی کے سلسلے میں دونوں جگہ محرومی کا ایک ہی داغ ہے۔

خدا مہلت دے تو تھوڑی دیر ایمان وعقیدت کے سایے میں بیٹھ کر سوچئے گا، کیا سچ مچ یہی تصویر ہے اس خسروئے زمانہ کی، جسے رسول الثقلین نے کشور ہند میں اپنا نائب السلطنت بنا کر بھیجا ہے۔ اور جواب ملنے کی توقع نہ ہو تو اپنے ضمیر سے اتنا ضرور دریافت کیجئے گا کہ قلم کی وہ روشنائی جو نانوتوی صاحب کی 'حمد' میں گنگ وجمن کی طرح بہہ رہی تھی وہی خواجہ خواجگان چشت کی حقیقت کے سوال پر اچانک کیوں خشک ہوگئی؟ اتنی تفصیلات کے بعد اب یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں سے امداد کے مسئلے میں دیوبندی حضرات کا اصل مذہب کیا ہے؟ البتہ الزام کا جواب ہمارے ذمہ نہیں ہے کہ ایک ہی اعتقاد جو رسول وولی کے حق میں شرک ہے وہی گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام وایمان کیونکر بن گیا ہے؟

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا یہ صورت حال اس یقین کو تقویت نہیں پہنچاتی کہ ان حضرات کے یہاں کفروشرک کی یہ ساری بحثیں صرف اس لئے ہیں کہ انبیاء واولیاء کی حرمتوں کو گھائل کرنے کیلئے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے ورنہ خالص عقیدہ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے بیگانے کے درمیان تفریق روا نہ رکھی جاتی۔

ضمنی طور پر بحث نکل آئی ورنہ سلسلہ چل رہا تھا علمائے دیوبند کی غیب دانی اور خدائی اختیارات سے متعلق تصنیف کردہ واقعات کا اب پھر اسی سلسلہ کے ساتھ اپنے ذہن کا رشتہ جوڑ لیجئے۔

علم مافی الارحام کا ایک عجیب واقعہ

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دہلوی جو دیوبندی جماعت کے مذہبی پیشوا اور اہم رکن ہیں انہوں نے ماہنامہ 'برہان' دہلی کے مدیر مولوی احمد سعید اکبر آبادی فاضل دیوبند کے والد کی وفات پر جریدۂ برہان میں ایک تعزیتی شذرہ لکھا ہے جو متوفی کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے واقعات کے راوی مولوی احمد سعید ہیں' قلم مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا ہے۔ اپنی پیدائش سے متعلق مولوی احمد سعید کا یہ پہلا 'میلاد نامہ' خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے...... موصوف بیان کرتے ہیں:۔

مجھ سے پہلے ابا کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے تھے جن کا نوعمری ہی میں انتقال ہوگیا تھا اس کے بعد مسلسل سترہ سال تک ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ انہوں نے ترک ملازمت اور ہجرت کا قصد کرلیا (اس وقت وہ آگرہ لوہا منڈی کے سرکاری شفا خانے میں ملازم تھے) مگر جب قاضی (عبدالغنی) صاحب مرحوم (والد کے پیر و مرشد) کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے منع لکھ بھیجا اور ساتھ ہی خوشخبری دی کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا چنانچہ اس بشارت کے چند سال بعد رمضان کی ۷ تاریخ کو صبح صادق کے وقت میں پیدا ہوا تو ولادت سے دو گھنٹے قبل ابا نے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کو خواب میں دیکھا کہ لوہا منڈی کے شفاخانے میں تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں ڈاکٹر! اس کا سعید نام رکھنا۔ چنانچہ ابا نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اسی وقت فیصلہ کرلیا کہ میں بچہ کو دیوبند بھیج کر عالم بناؤں گا۔ (ماہنامہ برہان دہلی اگست ۵۲ء، ص ۱۸)

ذرا خالی الذہن ہوکر ایک لمحہ کیلئے سوچئے کہ مولوی احمد سعید صاحب کے والد کے پیر قاضی عبدالغنی صاحب نے موصوف کی پیدائش سے چند سال قبل ہی یہ معلوم کرلیا تھا کہ 'فرزند' تشریف لا رہے ہیں۔ جس کی انہوں نے بشارت بھی دے دی اور بشارت کے مطابق ۷ رمضان المبارک کو مولوی احمد سعید اس سرائے فانی میں تشریف لے آئے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایام حمل میں اگر انہوں نے خبر دی ہوتی تو کہا جاسکتا تھا کہ طبی ذرائع سے انہیں اس کا ظن غالب ہوگیا ہوگا لیکن سالوں پیشتر یہ معلوم کرلینے کا ذریعہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ انہیں 'علم غیب' تھا۔

اور پھر مولوی قاسم صاحب نانوتوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی 'غیب دانی' کا کیا کہنا کہ وہ حضرت تو عین ولادت سے دو گھنٹے پیشتر ہی اپنی اپنی قبروں سے نکل کر سیدھے مولوی احمد سعید کے والد کے گھر پہنچ گئے اور انہیں بیٹے کی آمد پر پیشگی مبارکباد دی اور نام تک تجویز فرمادیا اور موصوف نے بھی اس خواب کا بالکل امر واقعہ کی طرح یقین کرلیا۔

انصاف کیجئے! ایک طرف تو گھر کے بزرگوں کے حق میں دلوں کا اعتقاد یہ ہے اور دوسری طرف رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار میں بخاری شریف کی یہ حدیث دیوبندی علماء کی زبان وقلم کی نوک سے ہمیشہ لگی رہتی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفاتح الغیب جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ پانچ چیزیں ہیں جو سورۂ لقمان کی آخری آیت میں مذکورہ ہیں یعنی قیامت کا وقت مخصوص، بارش کا ٹھیک وقت کہ کب نازل ہوگی، مافی الارحام یعنی عورت کے پیٹ میں کیا ہے بچہ ہے یا بچی، مستقبل کے واقعات، موت کا صحیح مقام۔ (فتح بریلی کا دلکش نظارہ، ص ۸۵)

قرآن کی آیت بھی برحق اور حدیث بھی واجب التسلیم لیکن اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ مذکورہ بالا آیت وحدیث اگر رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں مافی الارحام (یہ علم کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے) کے انکار کی دلیل بن سکتی ہے تو علم و دیانت کے حضور میں اس سوال کا جواب دیا جائے کہ یہی آیت اور یہی حدیث دیوبندی علماء کے تئیں قاضی عبدالغنی، مولوی قاسم صاحب نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی کے حق میں علم مافی الارحام کے اعتقاد سے کیوں نہیں مانع ہوئی؟

اور اگر اپنے بزرگوں کے حق میں مذکورہ بالا آیت وحدیث کی کوئی تاویل تلاش کر لی گئی تو پھر وہی تاویل رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں کیوں نہیں رکھی گئی ایک ہی مسئلے میں ذہن کے دو رُخ کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ جسے اپنا سمجھا جائے اس کے کمالات کے اظہار کیلئے کوئی گنجائش نہیں بھی تھی تو نکال لی گئی اور جس کیلئے دل کے اندر کوئی نرم گوشہ تک موجود نہیں تھا اس کے فضائل واقعی کے اعتراف میں بھی دل کا بخل چھپایا نہیں جاسکا۔

ایک اور ایمان شکن روایت

علم مافی الارحام کی بات چل پڑی ہے تو لگے ہاتھوں عقیدہ توحید کا ایک اور خون ملاحظہ فرمایئے یہی مولوی قاسم نانوتوی صاحب اپنی جماعت کے ایک 'شیخ' کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ

شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں تھے اور ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتلادیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ (ارواح ثلثہ، ص ۱۶۳)

یہاں حسن اتفاق کا بھی معاملہ نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ خواب کی بات ہو بلکہ پوری صراحت ہے اس امر کی کہ ان کے اندر مافی الارحام کے علم وانکشاف کی ایک ایسی قوت ہی بیدار ہوگئی تھی کہ وہ ہر وقت ایک شفاف آئینہ کی طرح پیٹ کے اندر کی چیز دیکھ لیا کرتے تھے، بالکل اسی طرح کی قوت جیسے ہماری آنکھوں میں دیکھنے اور کانوں میں سننے کی ہے نہ جبریل کا انتظار اور نہ الہام کی احتیاج!

لیکن وائے رے دیوبندی ذہن کہ بوالعجبی کہ علم وانکشاف کی جو معنوی قوت ایک ادنیٰ اُمتی کیلئے وہ بے تکلف تسلیم کر لیتے ہیں وہی پیغمبر کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے انہیں خدا کے ساتھ شرک کی قباحت نظر آنے لگتی ہے۔

ان 'موحدین' کے طلسم فریب کا مزید تماشا دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک طرف عبداللہ خاں راجپوت کے متعلق نانوتوی صاحب کی بیان کردہ یہ روایت پڑھیے اور دوسری طرف دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کا یہ فرمان ملاحظہ فرمایئے کہ

اسی طرح جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے اس کو بھی (خدا کے سوا) کوئی نہیں جان سکتا کہ ایک ہے یا دو، نر ہے یا مادہ، کامل ہے یا ناقص، خوبصورت ہے یا بدصورت۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۲)

یہ ہے عقیدہ، وہ ہے واقعہ، اور دونوں ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہیں اگر دونوں صحیح ہیں تو ماننا پڑے گا کہ عبداللہ خاں راجپوت خدائی منصب پر ہیں اور اگر انہیں خدا نہیں فرض کر سکتے تو کہئے واقعہ غلط ہے۔ تاویل وجوب کا جو رخ بھی اختیار کیجئے مذہبی دیانت کا ایک خون ضروری ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ صورتِ حال کیا اس یقین کو تقویت نہیں پہنچاتی کہ ان حضرات کے یہاں کفر و شرک کی بحثیں صرف اس لئے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کی حرمتوں کو گھائل کرنے کیلئے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے ورنہ خالص عقیدہ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کی تفریق روا نہ رکھی جاتی۔

غیب کا ایک اور مشاہدہ

ارواح ثلاثہ میں لکھا ہے کہ یہی مولوی قاسم نانوتوی جب حج کیلئے جانے لگے تو انہی عبداللہ خاں راجپوت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دم رخصت ان سے دعا کی درخواست کی اس کے جواب میں خان صاحب نے فرمایا، بھائی میں تمہارے لئے کیا دعا کروں میں نے تو اپنی آنکھوں سے تمہیں دو جہاں کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (ارواح ثلاثہ، ص ۲۵۴)

دیوبندی جماعت کے ایک نومسلم خان کی آنکھوں کی ذرا قوت بینائی ملاحظہ فرمایئے کہ عالم غیب تک پہنچنے کیلئے اس پر درمیان میں کوئی حجاب حائل نہیں لیکن رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں دیوبندی حضرات کا یہ عقیدہ اب نشانِ مذہب قرار پا چکا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ پس دیوار بھی نہیں دیکھ سکتے۔ (حوالہ کیلئے دیکھئے براہین قاطعہ، ص ۵۱۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی)

نانوتوی صاحب کے ایک خادم کی قوتِ انکشاف

بات آگئی ہے تو اس پس دیوار کے علم وانکشاف سے متعلق ایک دلچسپ خبر اور سنئے!

دیوان جی نامی ایک صاحب کے متعلق مولوی مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے...... موصوف لکھتے ہیں:۔

مولانا محمد طیب صاحب نے یہ اطلاع دی ہے کہ یٰسین نام کے دو صاحبوں کا خصوصی تعلق سیدنا امام الکبیر (مولوی قاسم صاحب نانوتوی) سے تھا جن میں سے ایک تو یہی دیوان جی دیوبند کے رہنے والے تھے اور بقول مولانا طیب صاحب دیوبند میں حضرت والا کی خانگی اور ذاتی دور کا تعلق انہی سے تھا۔

لکھا ہے کہ صاحب نسبت بزرگ تھے اپنے زنانہ مکان کے حجرے میں ذکر کرتے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارلعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں کشفی حالت دیوان جی کی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ باہر سڑک پر آنے جانے والے نظر آتے رہتے تھے، در ودیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہیں رہتا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ۲ ص ۴۷)

لا الہ الا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ! مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے ایک خانگی خادم کی یہ کشفی حالت کہ مٹی کی دیواریں شفاف آئینہ کی طرح ان پر روشن رہا کرتی تھیں لیکن فہم واعتقاد کی اس گمراہی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں مٹی کی دیواریں سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ پر حجاب بن کر حائل رہتی تھیں۔

جیسا کہ دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور صاحب نعمانی تحریر فرماتے ہیں، اگر حضور کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہوجایا کرتی تھیں تو حضرت بلال سے (دروازہ پر کھڑی ہونے والی عورتوں کے نام لے کر) دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ (فیصلہ کن مناظرہ، ص ۱۳۶)

آپ ہی انصاف کیجئے کہ اپنے رسول کے حق میں کیا اس سے زیادہ بھی جذبۂ دل کی بیگانگی کا کوئی تصور کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں الحاد و نصرانیت کا ایک مکاشفہ

لگے ہاتھوں انہیں دیوان جی کا ایک کشف اور ملاحظہ فرمایئے۔ مولوی مناظر احسن گیلانی اپنے اسی حاشیہ میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ان ہی دیوان جی کے مکاشفہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے بھی نقل کیا جاتا ہے لکھتے ہیں کہ مثالی عالم میں ان پر منکشف ہوا کہ دارالعلوم کے چاروں طرف ایک سرخ ڈورا تنا ہوا ہے۔

اپنے اس کشفی مشاہدہ کی تعبیر خود یہ کیا کرتے تھے کہ نصرانیت اور تجدد و کناوی کے آثار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم میں نمایاں ہوں گے۔ (ج ۲ ص ۷۳)

مجھے اس مقام پر سوا اس کے اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ لوگ اپنا عیب چھپانے کیلئے دوسروں پر انگریزوں کا کاسہ لیسی اور ساز باز کا الزام عائد کرتے ہیں وہ گریبان میں منہ ڈال کر ذرا اپنے گھر کا یہ کشف نامہ ملاحظہ فرمالیں۔ کتاب کے مصنفین کو اس کشف پر اگر اعتماد نہ ہوتا تو وہ ہرگز اسے شائع نہ کرتے۔

اور بات کشف ہی تک نہیں تاریخی دستاویزات بھی اس امر واقعہ کی تائید میں ہیں کہ انگریزوں کے ساتھ نیاز مندانہ تعلقات اور رازدارانہ ساز باز، دارالعلوم دیوبند اور منتظمین عمائدین کا ایسا نمایاں کارنامہ ہے جسے انہوں نے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور یہ بات میں از راہ الزام نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دیوبندی لٹریچر سے جو تاریخی شہادتیں مجھے موصول ہوئی ہیں ان کی روشنی میں اس کے سوا اور کچھ کہا ہی نہیں جاسکتا۔ نمونے کے طور پر چند تاریخی حوالے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

انگریزوں کے خلاف افسانہ جہاد کی حقیقت

ایک دیوبندی فاضل نے 'مولانا محمد احسن نانوتوی' کے نام سے موصوف کی سوانح حیات لکھی ہے جسے مکتبہ عثمانیہ کراچی پاکستان نے شائع کیا ہے۔ اپنی کتاب میں مصنف نے اخبار 'انجمن' پنجاب لاہور مجریہ ۱۹ فروری ۱۸۷۵ء کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۳ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یک شنبہ لفٹنٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا...... معائنہ کی جو عبارت موصوف نے اپنے کتاب میں نقل کی ہے اس کی یہ چند سطریں خاص طور سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صَرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ میں ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہنامہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے۔ (مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۲۱۷)

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خود انگریز کی یہ شہادت ہے کہ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس بیان کے سامنے اب اس افسانے کی کیا حقیقت ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ مدرسہ دیوبند انگریز سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کا بہت بڑا اڈہ تھا۔

مدرسہ دیوبند کے قدیم کارکنوں کا انگریزوں کے ساتھ کس درجہ خیر خواہا اور نیاز مندانہ تعلق تھا اس کا اندازہ لگانے کیلئے خود قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا تہلکہ آمیز بیان پڑھئے ..... فرماتے ہیں، (مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ۲ص ۲۴۷)

آگے چل کر انہی 'بزرگوں' کے متعلق لکھا ہے کہ مدرسہ دیوبند میں ایک موقع پر جب انکوائری آئی تو اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی طرف سے صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔ (حاشیہ سوانح قاسمی)

گھر کا رازدار ہونے کی حیثیت سے قاری طیب صاحب کا بیان جتنا باوزن ہوسکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جس مدرسہ کے چلانے والے انگریزوں کے وفا پیشہ نمک خوار ہوں اسے باغیانہ سرگرمیوں کا اڈہ کہنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے یا نہیں؟

اب انگریز کے خلاف دیوبندی اکابر افسانہ جہاد و بغاوت کی پوری رپورٹ اُلٹ دینے والی ایک سنسنی خیز کہانی سنئے۔

سوانح قاسمی میں مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے ایک حاضر باش مولوی منصور علی خاں کی زبانی یہ قصہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن مولانا نانوتوی کے ہمراہ میں نانوتہ جارہا تھا کہ اثنائے راہ میں مولانا کا حجام افتاں وخیزاں آتا ہوا ملا اور اس نے خبر دی کہ نانوتہ کے تھانیدار نے ایک عورت کے بھگانے کے الزام میں میرا چالان کردیا ہے۔ خدارا مجھے بچایئے۔

مولوی منصور علی خاں کا بیان ہے کہ نانوتہ پہنچتے ہی مولانا نے اپنے مخصوص کارندہ منشی محمد سلیمان کو طلب کیا اور پرجلال آواز میں فرمایا، اس غریب کو تھانیدار نے بے قصور پکڑا ہے تم اس سے کہہ دو کہ یہ (حجام) ہمارا آدمی ہے اس کو چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچو گے، اس کے ہاتھ ہتھکڑی ڈالو گے تو تمہارے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی پڑے گی۔ (سوانح قاسمی، ج ۱ص ۳۲۱، ۳۲۲)

لکھا ہے کہ منشی محمد سلیمان نے مولانا نانوتوی کا حکم ہو بہو تھانیدار تک پہنچا دیا۔ تھانیدار نے جواب دیا کہ اب کیا ہوسکتا ہے روزنامچہ میں اس کا نام لکھ دیا گیا۔

مولانا نانوتوی نے اس کے جواب پر حکم دیا کہ تھانیدار سے جاکر کہہ دو کہ اس کا نام روزنامچہ سے کاٹ دو منصور علی خان کا بیان ہے کہ مولانا کا یہ حکم پاکر سراسیمگی کی حالت میں تھانیدار خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

حضرت نام نکالنا بڑا جرم ہے اگر نام اس کا نکالا تو میری نوکری جاتی رہے گی۔ فرمایا اس کا نام (روز نامچہ سے) کاٹ دو تمہاری نوکری نہیں جائے گی۔ (سوانح قاسمی، ص ۳۲۳)

واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ مولانا کے حکم کے مطابق تھانیدار نے حجام کو چھوڑ دیا اور تھانیدار تھانیدار ہی رہا۔

مجھے اس واقعہ پر بجز اس کے اور کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے کہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی اگر انگریز کی حکومت کے باغیوں میں تھے تو پولیس کا محکمہ اس قدر ان کے تابع فرمان کیوں ہوا؟ اور تھانیدار کو یہ دھمکی کہ اسے چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچو گے' وہی دے سکتا ہے جس کا ساز باز اوپر کے مرکزی حکام سے ہو۔

انگریزی قوم کی بارگاہ میں نیاز مندانہ ذہن کا ایک رخ اور ملاحظہ فرمایئے۔ اس سلسلے میں سوانح قاسمی کے مصنف کی ایک عجیب و غریب روایت سنئے ...... فرماتے ہیں کہ

انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے تھے ان میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے کہتے جاتے تھے کہ لڑنے کا کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔ (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ۲ ص ۱۰۳)

انگریزوں کی صف میں حضرت خضر کی موجودگی اتفاقاً نہیں پیش کی گئی بلکہ وہ 'نصرتِ حق' کی علامت بن کر انگریزی فوج کیساتھ ایک بار اور دیکھے گئے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

غدر کے بعد جب گنج مرادآباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا (شاہ فضل الرحمٰن صاحب) مقیم ہوئے تو مولانا اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے کسی وجہ سے انگریزی فوج گزر رہی تھی مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے۔ اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اُتر کر دیکھا کہ انگریزی فوج کے ایک سائیس سے جو باگ ڈوڑ، کھونٹے وغیرہ گھوڑے کیلئے ہوئے تھا اس سے باتیں کر کے مسجد واپس آ گئے۔

اب یاد نہیں رہا کہ پوچھنے پر یا خود بخود فرمانے لگے سائیس جس سے میں نے گفتگو کی یہ خضر تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے تو جواب میں کہا کہ حکم یہی ہوا ہے۔ (حاشیہ سوانح قاسمی، ص ۱۰۳)

یہاں تک تو روایت تھی اب اس روایت کی توثیق و تشریح ملاحظہ فرمایئے ...... لکھتے ہیں:۔

باقی خود خضر کا مطلب کیا ہے؟ نصرت حق کی مثالی شکل تھی جو اس نام سے ظاہر ہوئی تفصیل کیلئے شاہ ولی اللہ وغیرہ کی کتابیں پڑھئے گویا جو کچھ دیکھا جا رہا تھا اسی کے باطنی پہلو کا یہ مکاشفہ تھا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی)

بات ختم ہوگئی لیکن یہ سوال سر پر چڑھ کے آواز دے رہا ہے کہ جب حضرت خضر کی صورت میں نصرت حق انگریزی فوج کے ساتھ تھی تو ان باغیوں کیلئے کیا حکم ہے جو حضرت خضر کے معاملے میں لڑنے آئے تھے؟ کیا اب بھی انہیں غازی اور مجاہد کہا جا سکتا ہے؟

اپنے موضوع سے ہٹ کر ہم بہت دُور نکل آئے لیکن آپ کی نگاہ پر بار نہ ہو تو اس بحث کے خاتمے پر اکابر دیوبندی کی ایک دلچسپ دستاویز اور ملاحظہ فرمایئے:۔

دیوبندی حلقے کے ممتاز مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اپنی کتاب تذکرۃ الرشید میں انگریزی حکومت کے ساتھ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے نیاز مندانہ جذبات کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

آپ سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ (تذکرۃ الرشید، ج ا ص ۸۰)

کچھ سمجھا آپ نے؟ کس الزام کو یہ جھوٹا کہہ رہے ہیں یہی کہ انگریزوں کے خلاف انہوں نے علم جہاد بلند کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ گنگوہی صاحب کی یہ پر خلوص صفائی کوئی مانے یا نہ مانے لیکن کم از کم ان کے معتقدین کو تو ضرور ماننا چاہئے لیکن غضب خدا کا کہ اتنی شد و مد کے ساتھ صفائی کے باوجود بھی ان کے ماننے والے یہ الزام ان پر آج تک دھرا رہے ہیں کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی کہ کسی فرقے کے افراد نے اپنے پیشوا کی اس طرح تکذیب کی ہو۔

اور 'سرکار مالک ہے سرکار کو اختیار ہے' یہ جملے اسی کی زبان سے نکل سکتے ہیں جو 'تن سے لے کر من تک' پوری طرح کسی کے جذبۂ غلامی میں بھیگ چکا ہو۔

آہ! دلوں کی بدبختی اور روحوں کی شقاوت کا حال بھی کتنا عبرت انگیز ہوتا ہے سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ خدا کے باغیوں کیلئے جذبۂ عقیدت کا اعتراف یہ ہے کہ وہ مالک بھی ہیں اور مختار بھی! لیکن احمد مجتبیٰ اور محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے، 'جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار (مالک) نہیں۔' (تقویۃ الایمان)

بیشک! یہ بتانے کا حق مملوک ہی کو ہے کہ اس کا مالک کون ہے کون نہیں ہے جو مالک تھا اس کیلئے اعتراف کی زبان کھلنی تھی کھل گئی اور جو مالک نہیں تھا اس کا انکار ضروری تھا ہو گیا اب یہ بحث بالکل عبث ہے کہ کس کا مقدر کس مالک کے ساتھ وابستہ ہو۔

یہاں پہنچ کر ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے۔ تصویر کے دونوں رُخ آپ کے سامنے ہیں۔ مادی منفعت کی کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ دلوں کی اقلیم پر کس کی بادشاہت کا جھنڈا گڑا ہوا ہے' سلطان الانبیاء کا یا تاج برطانیہ کا؟

بات چلی تھی گھر کے مکاشفہ سے اور گھر ہی کی دستاویز پر ختم ہوگئی۔ اب پھر کتاب کے اصل موضوع کی طرف پلٹتا ہوں اور آپ بھی اپنے ذہن کا رشتہ واقعات کے سلسلے سے منسلک کر لیجئے۔

غیبی ادراک کے سمندر میں تلاطم

مولوی مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں ارواح ثلاثہ کے حوالہ سے ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ چھتہ کی مسجد واقع دیوبند میں کچھ لوگ جمع تھے۔ اس مجمع میں ایک دن مولوی یعقوب صاحب نانوتوی مہتمم مدرسہ دیوبند فرمانے لگے:۔

بھائی آج صبح کی نماز میں ہم مرجاتے بس کچھ ہی کسر رہ گئی لوگ حیرت سے پوچھنے لگے آخر کیا حادثہ پیش آیا۔ سننے کی بات یہی ہے جواب میں فرمارہے تھے کہ آج صبح میں سورۂ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گزرا کہ میں تحمل نہ کرسکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے۔ کہتے تھے کہ وہ تو خیر گزری کہ وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا اس لئے میں بچ گیا۔ کہتے تھے کہ علوم کا ایک دریا جو اچانک چڑھتا ہوا ان کے قلب پر سے گزر گیا یہ کیا تھا؟ خود ہی اس کی تشریح بھی انہی سے بایں الفاظ اسی کتاب میں پائی جاتی ہے کہ نماز کے بعد میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو منکشف ہوا کہ حضرت مولانا نانوتوی اس ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے یہ ان کی توجہ کا اثر ہے کہ علم کے دریا دوسروں کے قلوب پر موجیں مارنے لگے اور تحمل دشوار ہوجائے۔ (سوانح قاسمی، ج ا ص ۳۲۵)

اصل واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

خود ہی بتایئے کہ فکری و دماغی علوم والے بھلا اس کا کیا مطلب سمجھ سکتے ہیں؟ کہاں میرٹھ اور کہاں چھتہ کی مسجد! میرٹھ سے دیوبند تک کا مکانی فاصلہ درمیان میں حائل نہ ہوا۔ (ایضا)

بتایئے! اب اس ان کہی کو کیا کہا جائے یہ معمہ تو گیلانی صاحب اور ان کی جماعت کے علماء ہی حل کر سکتے ہیں کہ جو فاصلہ مکانی ان حضرات کے تئیں انبیاء اور سیّد الانبیاء تک پر حائل رہتا ہے وہ نانوتوی صاحب پر کیوں نہیں حائل ہوا۔

اور مولوی یعقوب صاحب کی غیبی قوت ادراک کا کیا کہنا کہ انہوں نے دیوبند میں بیٹھے بیٹھے مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی وہ غیبی توجہ تک معلوم کرلی جو انہوں نے میرٹھ سے ان کی طرف مبذول کی تھی اور وہ بھی اتنا جھٹ پٹ کہ نماز کے بعد غور کیا اور سارا معاملہ اسی لمحے منکشف ہوگیا۔ دنوں ہفتوں اور مہینوں کی بات تو الگ رہی گھنٹے آدھ گھنٹے کا بھی وقفہ نہ گزرا۔ لیکن شرم سے سر جھکا لیجئے کہ گھر کے بزرگوں کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے اور رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں پوری جماعت کا عقیدہ یہ ہے:۔

بہت سے اُمور میں آپ کا خاص اہتمام سے توجہ فرمانا بلکہ فکر و پریشانی میں واقع ہونا اور باوجود اس کے پھر مخفی رہنا ثابت قصہ افک میں آپ کی تفتیش و استکشاف بابلغ وجوہ صحاح میں مذکور ہے مگر صرف توجہ سے انکشاف نہیں ہوا۔ بعد ایک ماہ وحی کے ذریعے اطمینان ہوا۔ (حفظ الایمان، ص ۷۔ مولوی اشرف علی تھانوی)

اب اس بے وفائی کا انصاف تو رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفادار اُمت ہی کرے گی کہ خود تو یہ حضرات آنِ واحد میں سینکڑوں میل کی مسافت سے دلوں کے مخفیات پر مطلع ہو جاتے ہیں لیکن رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ایک ماہ کی طویل مدت میں بھی کسی مخفی امر کے انکشاف کی قوت تسلیم نہیں کرتے۔

کیا اتنی کھلی ہوئی شہادتوں کے بعد بھی حق و باطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کیلئے مزید کس نشانی کی ضرورت باقی رہ گئی؟ محشر کی تپتی ہوئی سرزمین پر رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے اُمیدوارو! جواب دو؟

غیبی موت اور اس کے تصرف کا ایک عجیب و غریب واقعہ

ارواح ثلاثہ میں مولوی قاسم علی صاحب نانوتوی کے ایک شاگرد رشید مولوی منصور علی خاں کی زبانی یہ دلچسپ اور پر اسرار حصہ سنئے۔ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا اور اس قدر اس کی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اس کے تصور میں رہنے لگا۔ میری عجیب حالت ہو گئی تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا۔ حضرت (مولانا نانوتوی) کی فراست نے بھانپ لیا، لیکن سبحان اللہ! تربیت و نگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کر دیا اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو بار آپس میں بے تکلف دل لگی کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا فرمایا ہاں بھائی وہ تمہارے پاس آتے بھی ہیں یا نہیں؟ میں شرم و حجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا نہیں بھائی یہ حالات تو انسان پر ہی آتے ہیں اس میں چھپانے کی کیا بات ہے غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کر لیا اور کوئی خفگی اور ناراضگی نہیں ظاہر کی بلکہ دلجوئی فرمائی۔ (ارواح ثلاثہ، ص ۲۴۶)

اس کے بعد میری بے چینی بہت زیادہ بڑھ گئی اور عشق کے ہاتھوں میں بالکل تنگ آ گیا تو ناچار ایک دن مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ حضرت! للہ میری اعانت فرمایئے میں تنگ آ گیا ہوں اور عاجز ہو چکا ہوں ایسی دعا فرما دیجئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے بس جوش ختم ہو گیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا، نکما ہو گیا۔ اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا خدا کیلئے میری امداد فرمایئے فرمایا بہت اچھا! بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔ (ارواح ثلاثہ، ص ۲۴۷)

آپ کے نماز کے بعد کا واقعہ سنئے...... 'مبتلائے غمِ جاناں' بیان کرتا ہے کہ میں مغرب کی نماز پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب! میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے بالکل عیاناً (کھلی آنکھوں سے) دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف نور اور روشنی نے میرا احاطہ کرلیا ہے گویا میں دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۴۷)

عالمِ غیب کی نقاب کشائی کی ذرا یہ شان ملاحظہ فرمایئے کہ پارس پتھر کی طرح ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑتے ہی آنکھیں روشن ہوگئی اور عرش تک کے سارے حجابات آنِ واحد میں اُٹھ گئے اور صرف اٹھ ہی نہیں گئے بلکہ اپنے 'رنگین مزاج' شاگرد کو پلک جھپکتے وہاں پہنچادیا جہاں بجز سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالمِ گیتی کا کوئی انسان اب تک نہیں پہنچ سکا۔

عالمِ غیب پر اپنے اقتدار کے تسلط کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ جسے چاہا غیب دان بنادیا لیکن محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں بیک زبان سب متفق ہیں کہ کسی اور کو حرم سرائے غیب کا محرم بنایا تو بڑی بات ہے وہ خود غیب کی بات نہیں جانتے اور عرش کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ فرش بھی ان کا نگاہ سے اوجھل۔

آپ ہی منصفی سے کہئے کہ کیا یہی شیوہ اسلام اور تقاضائے کلمہ گوئی ہے؟

دیوبندی مکتبہ فکر کی بنیاد ہلادینے والی ایک کہانی

مولوی مناظر احسن گیلانی نے ان ہی مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے متعلق اپنی کتاب سوانح قاسمی میں اچنبھے میں ڈال دینے والی ایک حکایت بیان کی ہے۔

لکھتے ہیں کہ ایک بار مولانا موصوف کا کسی ایسے گاؤں سے گزر ہوا جہاں شیعوں کی کثیر آبادی تھی سنیوں کو جب ان کی آمد کی خبر ہوئی تو موقع غنیمت جانا اور ان کے وعظ کا اعلان کردیا اعلان سنتے ہی شیعوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ انہوں نے جلسہ وعظ کو ناکام بنانے کیلئے لکھنؤ سے چار مجتہد بلوائے اور پروگرام یہ طے پایا کہ مجلس وعظ میں چاروں کونوں پر یہ چار مجتہد بیٹھ جائیں اور چالیس اعتراض منتخب کر کے دس دس اعتراض چاروں پر بانٹ دیئے گئے کہ اثنائے وعظ میں ہر ایک مجتہد الگ الگ اعتراض کرے اور اس طرح جلسہ وعظ کو درہم برہم کردیا جائے۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود سوانح نگار کے الفاظ میں سنئے لکھتے ہیں کہ

حضرت والا کی کرامت کا حال سنئے کہ حضرت نے وعظ شروع کردیا جس میں گاؤں کی تمام شیعہ برادری بھی جمع تھی اور وہ وعظ ایسی ترتیب سے اعتراضوں کے جواب پر مشتمل شروع ہوا جس ترتیب کے مطابق جب کوئی مجتہد اعتراض کرنے کیلئے گردن اٹھاتا تو حضرت اسی اعتراض کو خود نقل کر کے جواب دینا شروع فرماتے یہاں تک کہ وعظ پورے سکون کے ساتھ پورا ہوا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ۲ ص ۷۱)

اس واقعہ کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اور دلچسپ ہے۔ لکھا ہے کہ مجتہدین اور مقامی شیعہ چودھریوں کی اس میں اپنی انتہائی سبکی اور خفت محسوس ہوئی تو انہوں نے حرکت مذبوحی کے طور پر اس شرمندگی کو مٹانے اور حضرت والا کے اثرات کا ازالہ کرنے کیلئے یہ تدبیر کی کہ ایک نوجوان کا فرضی جنازہ بنایا اور حضرت سے آ کر عرض کیا کہ حضرت نمازِ جنازہ آپ پڑھادیں۔

پروگرام یہ تھا کہ جب حضرت دو تکبیر کہہ لیں تو صاحبِ جنازہ ایک دم اٹھ کھڑا ہو اور اس پر حضرت کیساتھ استہزاء اور تمسخر کیا جائے حضرت والا نے مذمت فرمائی کہ آپ لوگ شیعہ ہیں اور میں سنی ہوں۔ اصول نماز الگ الگ ہیں آپ کے جنازہ کے نماز مجھ سے پڑھوانی جائز کب ہوگی؟ شیعوں نے عرض کیا کہ حضرت! بزرگ ہر قوم کا بزرگ ہی ہوتا ہے آپ تو نماز پڑھا ہی دیں۔

حضرت نے ان کے اصرار پر منظور فرمالیا اور جنازے پر پہنچ گئے مجمع تھا۔ حضرت ایک طرف کھڑے ہوئے تھے کہ چہرے پر غصے کے آثار دیکھے گئے۔ آنکھیں سرخ اور انقباض چہرے سے ظاہر تھا نماز کیلئے کہا گیا تو آگے بڑھے اور نماز شروع کردی دو تکبیر کہنے پر جب طے شدہ پروگرام کے مطابق جنازے میں حرکت نہ ہوئی تو پیچھے سے کسی نے 'ہونہہ' کیساتھ سسکاری دی مگر وہ نہ اُٹھا۔ حضرت نے تکبیرات اربعہ پوری کر کے اسی غصے کے لہجے میں فرمایا کہ اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اُٹھ سکتا۔ دیکھا گیا تو مردہ تھا۔ شیعوں میں رونا پیٹنا پڑ گیا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ۲ ص ۷۱)

قسم ہے آپ کو جلالت خداوندی کی جن کی ہیبت سے مومن کا کلیجہ لرزتا رہتا ہے حق کے ساتھ انصاف کرنے میں کسی کی پاسداری نہ کیجئے گا۔

یہ دونوں واقعے آپ کے سامنے ہیں۔ پہلے واقعے میں نانوتوی صاحب کیلئے غیبی علم وادراک کی وہ عظیم قوت ثابت کی گئی ہے جس کے ذریعے انہوں نے الگ الگ مجتہد کے دل میں چھپے اعتراض کو اسی ترتیب کے ساتھ معلوم کرلیا جس ترتیب کے ساتھ وہ اپنے اپنے دلوں میں چھپا کر لائے تھے۔

گھر کے بزرگ کیلئے تو جذبۂ اعتراف کی یہ فراوانی ہے کہ دلوں کے چھپے ہوئے خطرات آئینے کی طرح ان کے پیش نظر ہوں۔

اپنے مولانا کے اس غیبی قوت ادراک کا اعتراف کرتے ہوئے نہ شرک کا کوئی قانون امنگیر ہوا اور نہ مشربِ توحید سے کوئی انحراف نظر آیا۔ لیکن انبیاء و اولیاء کے حق میں اس غیبی قوتِ ادراک کے سوال پر ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

کچھ اس بات میں بھی ان کو بڑائی نہیں ہے کہ اللہ نے غیب دانی اختیار میں دے دی ہو کہ جس کے دل کے احوال جب چاہیں معلوم کرلیں یا جس غائب کا احوال جب چاہیں معلوم کرلیں کہ وہ جیتا ہے یا مرگیا یا کس شہر میں ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۵)

انصاف و دیانت کی روشنی میں چلنے کی تمنا کرنے والو! حق و باطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کیلئے اب بھی کسی مزید نشانی کی ضرورت ہے۔

ایک واقعہ پر تبصرہ ختم ہوا اب دوسرے واقعہ پر اپنی توجہ مبذول فرمایئے۔ واقعہ کی یہ تفصیل تو اپنی جگہ پر ہے کہ نمازِ جنازہ کیلئے کھڑے ہوئے تو فرطِ غضب سے آنکھیں سرخ تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف کو اپنی غیبی قوت ادراک کے ذریعے پہلے ہی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ تابوت کے اندر جنازہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے اور صرف ازراہِ تمسخر انہیں نمازِ جنازہ پڑھانے کیلئے کہا گیا ہے۔

لیکن کہانی کا نقطہ عروج یہ ہے کہ انہوں نے تکبیراتِ اربعہ پوری کرنے کے بعد اسی غصے کے لہجے میں فرمایا کہ 'اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا' اس فقرے کا مدعا سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ موصوف کی قوتِ تصرف سے اچانک اس کی موت واقع ہوگئی اور معاً اس کا علم بھی انہیں ہوگیا۔

اب ٹھیک اس روایت کی دوسری سمت میں دیوبند مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کی یہ عبارت پڑھیے اور دریائے حیرت میں غوطہ لگایئے۔

عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا یہ سب اللہ ہی کی شان اور کسی انبیاء و اولیاء کی، پیر و مرشد کی، بھوت و پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے سو وہ مشرک ہوجاتا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۱۰)

ایک طرف دیوبند مذہب کا یہ عقیدہ پڑھیے صاف عیاں ہوجائے گا کہ ان حضرات کے یہاں شرک کی ساری بحثیں صرف انبیاء و اولیاء کی حرمتوں سے کھیلنے کیلئے ہیں ورنہ ہر شرک اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام ہے۔

عقیدۂ توحید کے ساتھ تصادم کا ایک واقعہ

بات چل پڑی ہے تو عقیدۂ توحید کے ساتھ تصادم کا اب اس سے بھی زیادہ خونریز واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے سوانح نگار خواجہ عزیز الحسن نے اپنی کتاب میں تھانوی صاحب کے احباب کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ

حضرت حافظ احمد حسین صاحب شاہجانپوری جو باوجود شاہجانپور کے بڑے رئیس ہونے کے صاحب سلسلہ بزرگ بھی تھے ایک بار کسی کیلئے بددعا کی تو وہ شخص دفعۃً مرگیا۔ بجائے اس کے کہ اپنی اس کرامت سے خوش ہوتے ڈرتے اور بذریعہ تحریر حضرت والا (تھانوی صاحب) سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا؟ (اشرف السوانح، ج ۱ ص ۱۲۵)

تھانوی صاحب کا یہ ایمان شکن جواب دیدۂ حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے...... تحریر فرمایا کہ اگر آپ میں قوتِ تصرف ہے اور بددعا کرنے کے وقت آپ نے اس قوت سے کام لیا تھا یعنی یہ خیال قصد اور قوت کے ساتھ کیا تھا کہ یہ شخص مرجائے تب تو قتل کا گناہ ہوا اور چونکہ یہ قتل شبہ عمد اس لئے دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔ (اشرف السوانح، ج ۱ ص ۱۲۵)

اب اسی کے ساتھ دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کی یہ بات پڑھئے۔ انبیاء و اولیاء کی قوت تصرف پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اور اس بات کی ان میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو کہ جس کو چاہیں مار ڈالیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۵)

دیکھ رہے ہیں آپ؟ تصرف کی یہی قوت انبیاء و اولیاء کیلئے تسلیم کرنا دیوبندی مذہب میں شرک ہے اور ان کی تئیں یہ شان صرف اللہ کو ہے جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے سو وہ مشرک ہوجاتا ہے لیکن یہ کیسی قیامت ہے کہ اسی شرک کو اپنے گلے کا ہار بنالینے کے باوجود تھانوی صاحب اور ان کے متبعین روئے زمین کے سب سے بڑے توحید پرست کہلانے کے مدعی ہیں۔

اپنے بزرگوں کیلئے ایک شرمناک دعویٰ

مولوی انوار الحسن ہاشمی مبلغ دار العلوم دیو بند نے ’مبشرات دار العلوم‘ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو دار العلوم کے محکمہ نشر و اشاعت کی طرف سے شائع کی گئی ہے کتاب کے پیش لفظ کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے...... لکھتے ہیں کہ

بعض کامل الایمان بزرگوں کو جن کی عمر کا بیشتر حصہ تزکیہ نفس اور روحانی تربیت میں گزرتا ہے باطنی اور روحانی حیثیت سے ان کو منجانب اللہ ایسا ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے کہ خواب یا بیداری میں ان پر وہ اُمور خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ۔ (مبشرات دار العلوم ص ۱۲)

لیکن غیرت اسلامی کو آواز دیجئے کہ کشف کا یہی حال ملکہ راسخہ جو دیو بند کے کامل ایمان بزرگوں کو تزکیہ نفس کی بدولت حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں یہ حضرات تسلیم نہیں کرتے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تصوف کی مستند کتابوں میں جب اُمت کے بعض اولیاء کے کشف کا ثبوت ملتا ہے تو روئے زمین کے علم کے سلسلے میں اگر انبیاء و اولیاء حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے بھی کشف مان لیا جائے تو کیا قیامت لازم آتی ہے؟ تو اس کا جواب یوں عنایت فرماتے ہیں:۔

ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا اگر اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ اس سے زیادہ عطا فرما دے ممکن ہے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا کس نس (نص) دلیل سے ثابت ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جائے۔ (براہین قاطعہ، ص ۵۲)

گروہی پاسدار کے جذبہ سے بالاتر ہو کر فیصلہ کیجئے کہ رسول الثقلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کشف تو اللہ کی عطا پر موقوف رکھا گیا ہے لیکن دیو بند کے کامل الایمان بزرگوں کو ریاضت اور تزکیہ نفس کے بل پر یہ کشف خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حصول کشف کا ذریعہ اگر تزکیہ نفس اور ریاضت ہی ہے جیسا کہ اوپر گزرا تو اس تفریق کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ حضرات اپنے بزرگوں کو ریاضت اور تزکیہ نفس میں معاذ اللہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی افضل و برتر سمجھتے ہیں۔

پھر مذکورہ بالا دونوں عبارتوں کو ایک ساتھ نظر میں رکھنے کے بعد ایک تیسرا سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے اپنے بزرگوں کے حق میں ملکہ راسخہ کے نام سے کشف کی ایک ایسی دائمی اور ہمہ وقتی قوت مان لی گئی جس کے بعد اب فرداً فرداً مخفی شے کے علم کے ثبوت کی احتیاج ہی باقی نہیں رہ جاتی بلکہ تنہا یہی قوت سارے مخفیات کے انکشاف کیلئے کافی ہو جاتی ہے لیکن براہو تنگی دل کا کہ علم و انکشاف کا یہی ملکہ راسخہ رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات کو شرک کا آزار ستانے لگتا ہے یہاں فرداً فرداً ایک ایک شے کے علم کے بارے میں دلیل خاص کا مطالبہ کرتے ہیں کہ خدا نے عطا کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیجئے۔

ذاتِ نبوی کو منشا علم تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے قاری طیب صاحب لکھتے ہیں، یہ صورت نہ تھی کہ آپ کو نبوت کے مقام رفیع پر پہنچا کر بیکدم اور اچانک ذات پاک نبوی کو منشا علم بنا دیا گیا ہو اور ضرورتوں اور حوادث کے وقت خود بخود آپ کے اندر سے علم اُبھرتا ہو۔ (فاران۔ کراچی توحید نمبر، ص ۱۱۳)

یہ خود بخود گھر کے بزرگوں کیلئے بھی تھا اور خود بخود یہاں بھی ہے لیکن وہاں علمی رتبہ بڑھانے کیلئے تھا یہاں گھٹانے کیلئے۔

اب آپ ہی انصاف سے کہئے کہ زاویہ نگاہ کا یہ فروق کیا اس غبارِ خاطر کا پتا نہیں دیتا جو کسی دل میں کسی کی طرف سے پیدا ہو جانے کے بعد اعترافِ حقیقت کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے۔

لگاتار غیبی مشاہدات

اب ذیل میں دارالعلوم دیوبند کے کامل الایمان بزرگوں کی غیب دان سے متعلق وہ واقعات ملاحظہ فرمایئے جن کی تشہیر کیلئے کتاب لکھی گئی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی ایک عمارت کے متعلق مولوی رفیع الدین صاحب سابق مہتمم کا یہ کشف بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے کشف سے معلوم کر کے ارشاد فرمایا کہ نو درے کی وسطی درس گاہ سے عرش معلی تک میں نے نور کا ایک سلسلہ دیکھا ہے۔ (مبشرات، ص ۳۶)

اب دیوبند کے قبرستان کے متعلق ایک دوسرا کشف ملاحظہ فرمایئے:۔

خطیرہ قدسیہ خطہ صالحین یعنی جس قبرستان میں حضرت مولانا نانوتوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور سینکڑوں علماء و طلبہ مدفون ہیں اس حصہ کے متعلق حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا کشف تھا کہ اس حصے میں مدفون ہونے والا ان شاء اللہ مغفور ہے۔ (مبشرات، ص ۳۱)

واضح رہے کہ 'ان شاء اللہ' کی یہ قید محض سخن نکتہ کے طور پر ہے ورنہ ان شاء اللہ کی قید کے ساتھ تو ہر قبرستان کا مدفون مغفرت یافتہ ہے پھر دیوبند کے قبرستان کے متعلق کشف کی خصوصیات کیا کر رہی ہے؟

مدینے کی جنت البقیع کے ساتھ ہمسری کا یہ دعویٰ جس کشف کے ذریعہ کیا گیا ہے وہ بہترین کاروباری ذہانت کا آئینہ دار ہے۔

اب اخیر میں مولوی قاسم نانوتوی صاحب کی قبر کے متعلق ایک عجیب و غریب کشف ملاحظہ فرمایئے:۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مجددی نقشبندی سابق مہتمم دارالعلوم کا مکاشفہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کی قبر عین کسی نبی کی قبر میں ہے۔ (مبشرات، ص ۳۲)

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کشف سے موصوف کی کیا مراد ہے۔ کیا دیوبند میں کسی نبی کی قبر پہلے موجود تھی جسے خالی کرایا گیا اور نانوتوی صاحب کو وہاں دفن کیا گیا۔ اگر ایسا ہے تو اس نبی کی قبر کی نشاندہی کس نے کی؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کشف سے موصوف کی کیا مراد ہے؟

اگر لفظوں کے اُلٹ پھیر سے صرف نظر کر لیا جائے تو ہوسکتا ہے غیر واضح الفاظ میں وہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ نانوتوی صاحب کی قبر عین کسی نبی کی قبر ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ نانوتوی صاحب کے حق میں اگرچہ کھل کر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا گیا لیکن دبی زبان سے روایت ضرور نقل کی گئی ہے کہ ان پر کبھی کبھی نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ جیسا کہ گیلانی صاحب نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں لکھا ہے کہ ایک دن مولانا نانوتوی نے اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحب سے شکایت کی کہ جہاں تسبیح لے کر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے۔ اس قدر گرانی کہ جیسے سو سو من کے پتھر کسی نے رکھ دیے ہوں زبان وقلب سب بستہ ہوجاتے ہیں۔ (سوانح قاسمی، ج ا ص ۲۵۸)

اس شکایت کا جواب حاجی صاحب کی زبانی یہ نقل کیا گیا ہے۔ یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل (گرانی) ہے کہ حضور کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔ تم سے حق تعالیٰ کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے۔ (سوانح قاسمی، ج ا ص ۲۵۹)

نبوت کا فیضان، وحی کی گرانی اور کار انبیاء کی سپردگی، ان سارے لوازمات کے بعد نہ بھی صریح لفظوں میں ادعائے نبوت کیا جائے جب بھی اصل مدعا اپنی جگہ پر ہے۔

اس کتاب کا پہلا باب جو بانی دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے واقعات وحالات پر مشتمل تھا یہاں پہنچ کر تمام ہوگیا۔ جس تصویر کا پہلا رخ کتاب کے ابتدائی حصے میں آپ کی نظر سے گزر چکا ہے یہ اس کا دوسرا رخ تھا۔ اب چند لمحے کی فرصت نکال کر ذرا دونوں رخوں کا موازنہ کیجئے اور انصاف ودیانت کے ساتھ فیصلہ دیجئے کہ تصویر کے پہلے رخ میں جن عقائد و مسائل کو ان حضرات نے شرک قرار دیا تھا جب انہیں عقائد و مسائل کو تصویر کے دوسرے رخ میں انہوں نے سینے سے لگا لیا اب کس منہ سے وہ اپنے آپ کو موحد اور دوسرں کو مشرک قرار دیتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں دوسروں کو جھٹلانے کی ایک سے ایک مثال ملتی ہے صرف مولوی قاسم صاحب نانوتوی ہی تک محدود نہیں ہیں کہ اسے حسن اتفاق پر محمول کر لیا جائے بلکہ دیوبندی جماعت کے جتنے بھی مشاہیر ہیں کم وبیش سبھی اس الزام میں ملوث نظر آتے ہیں جیسا کہ آئندہ اوراق میں آپ پڑھ کر حیران وششدر رہ جائیں گے۔

اس باب میں پیشوائے دیوبند مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے متعلق دیوبندی لٹریچر سے ایسے واقعات وحقائق جمع کئے گئے ہیں جن میں عقیدہ توحید سے تصادم، اصولوں سے انحراف، مذہبی خودکشی اور منہ بولے شرک کو اپنے حق میں ایمان واسلام بنالینے کی حیرت انگیز مثالیں ورق ورق پر بکھری ہوئی ملیں گی۔

انہیں چشمِ حیرت سے پڑھئے اور ضمیر کا فیصلہ سننے کیلئے گوش بر آواز رہئے۔

سلسلہ واقعات غیب دانی اور دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے کے واقعات

دیوبندی مذہب کے سرگرم حامی مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید کے نام سے دو جلدوں میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی سوانح حیات لکھی ہے ذیل کے اکثر واقعات ان ہی کی کتاب سے اخذ کئے گئے ہیں۔

دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے اور مخفی اُمور کے مشاہدات سے متعلق اب ذیل میں واقعات کا سلسلہ ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا واقعہ

ولی محمد نام کا ایک طالبِ علم جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی خانقاہ میں پڑھتا تھا اس کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک بار مکان سے خرچ آنے میں دیر ہوئی اور ان کو ایک یا دو فاقہ کی نوبت آ پہنچی۔ مگر نہ انہوں نے کسی سے ذکر کیا نہ کسی صورت یہ حال کسی پر ظاہر ہوا اسی حالت میں صبح کے وقت بغل میں کتاب دبائے پڑھنے کے واسطے حضرت کی خدمت میں آرہے تھے کہ راستہ میں حلوائی کی دکان پر گرم گرم حلوہ پک رہا تھا۔ یہ کچھ دیر وہاں کھڑے رہے کہ کچھ پاس ہو تو خریدیں مگر پیسہ بھی نہ تھا اس لئے صبر کر کے چل دیئے اور خانقاہ میں پہنچے۔ حضرت گویا ان کے منتظر ہی تھے سلام کا جواب دیتے ہی فرمایا مولوی ولی محمد آج تو حلوہ کھانے کو ہمارا جی چاہتا ہے لو یہ چار آنے لے جاؤ اور جس دکان سے تم کو پسند ہے وہیں سے لاؤ غرض ولی محمد اس دوکان سے حلوہ خرید کر لائے اور حضرت کے سامنے رکھ دیا حضرت نے ارشاد فرمایا میاں ولی محمد! میری خوشی ہے کہ اس حلوہ کو تمہیں کھالو۔

(تذکرہ، ج ۲ ص ۲۲۷)

یہاں تک تو واقعہ تھا جس میں حسن اتفاق کو بھی دخل ہو سکتا ہے لیکن گنگوہی صاحب کو ہمہ وقتی غیب دانی کے متعلق ذرا اسی طالب علم کے یہ تاثرات ملاحظہ فرمایئے:۔

مولوی ولی محمد اس قصے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کے سامنے جاتے مجھے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ قلب کے وساوس (وسوسے) اختیار میں نہیں اور حضرت ان پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید، ص ۲۳۷)

مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ دلوں کے خطرات سے باخبر ہونے کی یہ کیفیت اتفاقی نہیں بلکہ دائمی تھی یعنی حواس پنجگانہ کی طرح وہ ہر وقت اس قوت سے کام لینے پر قادر تھے۔

اپنے گھر کے بزرگوں کی غیب دانی کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے لیکن انبیاء و اولیاء کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی عام زبان یہ ہے:۔

(جو کوئی کسی کے متعلق یہ سمجھے کہ) جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم اس کے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو اس باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب مشرک ہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۱۰)

اب اس بے انصافی کا شکوہ کس سے کیا جائے کہ ایک ہی عقیدہ جو انبیاء و اولیاء کے بارے میں شرک ہے لیکن وہی گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام و ایمان بن گیا ہے۔

کیا اب بھی حق و باطل کی راہوں کا امتیاز کرنے کیلئے مزید کسی نشانی کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اپنے ضمیر کی آواز پر فیصلہ کیجئے۔

دوسرا واقعہ

دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے کا ایک واقعہ سنئے...... لکھتے ہیں کہ

ایک مرتبہ استاذی مولانا عبدالمومن صاحب حاضر خدمت تھے دل میں وسوسہ گزرا کہ بزرگوں کے حالات میں زہد اور فقر وتنگدستی غالب دیکھی گئی ہے اور حضرت کے جسم مبارک پر جو لباس ہے وہ مباح و مشروع ہے مگر بیش قیمت ہے۔

حضرت امام ربانی (مولانا گنگوہی) اس وقت کسی سے باتیں کر رہے تھے دفعۃً ادھر متوجہ ہو کر فرمایا کہ عرصہ ہوا مجھے کپڑے بنانے کا اتفاق نہیں ہوتا، لوگ خود بنا بنا کر بھیج دیتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ تو ہی پہننا، ان کی خاطر سے پہنتا ہوں، چنانچہ جتنے کپڑے ہیں سب دوسروں کے ہیں۔ (ج ۲، ص ۱۷۳)

اس واقعہ کا رخ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے کہ دل کے اس خطرے پر مطلع ہونے کیلئے انہیں کسی خاص توجہ کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی۔ دوسرے شخص کیساتھ گفتگو میں مشغول ہوتے ہوئے بھی وہ مولوی عبدالمومن صاحب کے دل کے وسوسے سے باخبر ہوگئے۔ اس واقعہ سے ان کی ہمہ جہتی آگہی کا پتا چلتا ہے اور میرا خیال اگر غلط نہیں ہے تو یہ شان صرف خدا کی ہے کیونکہ انسان کے بارے میں تو ہمیشہ یہی تصور رہا ہے کہ اس کی قوتِ ادراک ایک وقت میں ایک ہی طرف متوجہ ہوسکتی ہے۔

اب چشم عبرت سے لہو ٹپکنے کی بات یہ ہے کہ دیوبندی حضرات کے امام ربانی تو بغیر کسی خاص توجہ کے بھی فی الفور دل کے مخفی حال پر مطلع ہوگئے ہیں لیکن امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

بہت سے امور میں آپ کا خاص اہتمام سے توجہ فرمانا بلکہ فکر و پریشانی میں واقع ہونا اور باوجود اس کے پھر مخفی رہنا ثابت ہے۔

(حفظ الایمان، ص ۷)

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے! یہ سر پیٹ لینے کی بات ہے یا نہیں کہ غیبی ادراک کی جو قوت ان حضرات کے نزدیک ایک ادنیٰ اُمت کیلئے ثابت ہے وہ خدا کے محبوب پیغمبر اور امام الانبیاء کیلئے ثابت نہیں ہے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

تیسرا واقعہ

لکھتے ہیں...... مولوی نظر محمد خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میری اہلیہ جس وقت آپ سے بیعت ہوئیں تو چونکہ مجھے طبعی طور پر غیرت زیادہ تھی اس لئے عورت کو باہر آنا یا کسی اجنبی مرد کو آواز سنانا گوارا نہ تھا اس وقت بھی یہ وسوسہ ذہن میں آیا کہ حضرت میری اہلیہ کی آواز سنیں گے مگر یہ حضرت کی کرامت تھی کہ کشف سے میرے دل کا وسوسہ دریافت کرلیا اور یوں فرمایا کہ اچھا! مکان کے اندر بٹھلا کر کواڑ بند کردو۔ (تذکرۃ الرشید، ج۲ص ۵۹)

اس واقعہ کے اندر بالکل صراحت ہے اس امر کی کہ گنگوہی صاحب ان کے دل کا یہ وسوسہ الہام خداوندی کے ذریعے نہیں بلکہ اپنی کشف کے ذریعے دریافت فرمالیا لیکن صد حیف یہی قوتِ کشف پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات کو شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔

چوتھا واقعہ

مولوی رضا علی صاحب حضرت کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں زمانہ طالب علمی میں مجھے ایسا مرض لاحق ہوا کہ وضو قائم نہ رہتا تھا بعض نماز کیلئے تو کئی کئی بار وضو کرنا پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ فجر کی نماز کو بندہ مسجد میں سویرے آگیا۔ سردی کا موسم تھا اور اس دن اتفاق سے جاڑہ بھی زیادہ تھا بار بار وضو کرنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کسی طرح جلد نماز سے فراغت ہوجائے تقدیری بات کہ امام ربانی نے اس دن معمول سے بھی کچھ زیادہ دیر لگائی۔ میں کئی مرتبہ سخت سردی میں وضو کرنے سے بہت پریشان ہوا اور وسوسہ گزرا کہ ایسی بھی کیا حنفیت ہے؟ حضرت ابھی اسفار ہی کے منتظر ہیں اور ہم وضو کرتے کرتے مرتے جاتے ہیں۔ لحظہ در لحظہ کے بعد حضرت تشریف لائے اور جماعت کھڑی ہوگئی فراغت کے بعد حسب معمول دیگر اشخاص کے ہمراہ میں بھی حضرت کے پیچھے پیچھے حجرہ شریفہ تک گیا۔ جب سب لوگ لوٹ گئے اور حضرت نے دروازہ بند کرنا چاہا تو مجھے پاس بلا کر ارشاد فرمایا یہاں کے لوگ نمازِ فجر کے واسطے تاخیر کرکے آتے ہیں اس وجہ سے میں بھی دیر کرتا ہوں۔ یہ فرما کر حضرت حجرہ میں تشریف لے گئے اور میں ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا۔ (تذکرۃ الرشید، ج۲ص ۲۲۴)

اس لئے غیب دان شخص پر دل کی چوری کھل گئی ورنہ آپ ہی بتایئے کہ دل کے وسوسہ کے سوا شیخ کی بارگاہ کا اور کوئی دوسرا جرم ہی کیا تھا۔

پانچواں واقعہ

ایک مرتبہ مولوی (ولایت حسین) صاحب کو وسوسہ ہوا کہ حضرت مجدد صاحب اپنے بعض مکتوبات میں ذکر جہر کو بدعت فرماتے ہیں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو مخاطب بنا کر حضرت نے ارشاد فرمایا، ذکر جہر کی اجازت بعض وقت حضرات نقشبندیہ بھی دے دیتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۲۹)

دیکھ رہے ہیں آپ! لگا تار دل کے وسوسوں پر مطلع ہونے کی یہ شان! ادھر خیال گزرا ادھر باخبر۔ لیکن ان حضرات کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کے حوالے سے بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ شان صرف خدا کی ہے جو غیر خدا کیلئے اس طرح کی باتیں ثابت کرتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے۔

اب اس الزام کا جواب ہمارے سر نہیں ہے کہ ایک ہی عقیدہ جو غیر خدا کے حق میں شرک تھا وہ گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام کیونکر بن گیا؟

چھٹا واقعہ

یہاں تک تو دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے کی بات تھی اب عام طور پر غیب دانی کی شان ملاحظہ فرمایئے..... لکھتے ہیں کہ

ایک مرتبہ دو شخص اجنبی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام و مصافحہ کے بعد بیعت کی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھو۔ حضرت کے اس ارشاد پر تھوڑی دیر دونوں گردن جھکائے بیٹھے رہے پھر چپکے ہی سے اُٹھ کر چل دیئے۔

جب دروازہ سے باہر ہوئے تب حضرت نے فرمایا دونوں شیعہ تھے میرا امتحان لینے آئے تھے حاضرین میں سے بعض آدمی ان کی تحقیق کو ان کے پیچھے گئے اور معلوم کیا تو وہ واقعی رافضی تھے۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۲۷)

ساتواں واقعہ

ارواحِ ثلاثہ کے مصنف امیر شاہ خان اپنی کتاب میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے متعلق یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت گنگوہی نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں۔ فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لاؤ شامی اٹھا لاؤ۔ شامی لائی گئی حضرت اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے شامی کے دو ثلث (دو تہائی) اوراق دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث (ایک تہائی) بائیں جانب کر کے اندر سے ایک کتاب کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ اسی صفحے میں موجود تھا سب کو حیرت ہوئی حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔ (ارواح ثلثہ، ص ۲۹۲)

اب اس واقعہ پر جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک حاشیہ پڑھتے ہیں...... لکھتے ہیں، وہی مقام نکل آنا گو اتفاقاً بھی ہوسکتا ہے مگر قرائن سے یہ باب کشف سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ جزم کے ساتھ نہ فرماتے کہ فلاں موقع پر دیکھو۔ (حاشیہ ارواح ثلثہ)

ذرا غور فرمایئے! یہ واقعہ چیستان تو تھا نہیں جس کے حل کیلئے حاشیہ چڑھانے کی ضرورت تھی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب نے خیال کیا ہوگا کہ لوگ کہیں اسے حسن اتفاق ہی پر محمول نہ کرلیں اس لئے 'باب کشف' سے کہہ کر لوگوں کی توجہ ان کی غیب دانی کی طرف مبذول کرادی۔

اس واقعہ میں گنگوہی صاحب کے اس جملے پر کہ 'حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا' کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ خدا کے ساتھ انہیں ہم کلامی کا شرف کب اور کہاں حاصل ہوا کہ اس نے ان سے وعدہ فرمالیا؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا جزم و یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ گنگوہی صاحب کی زبان وقلم سے ساری عمر کوئی غلط بات نہیں نکلی؟ ایک نبی کے بارے میں تو البتہ ایسا سوچنا صحیح ہے لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ بڑے سے بڑا اُمتی بھی زبان وقلم کی لغزشوں سے معصوم نہیں قرار دیا جاسکتا۔ پس ایسی حالت میں کیا بالفاظِ دیگر وہ خدائے قدوس کی طرف یہ الزام نہیں منسوب کررہے ہیں کہ اس نے معاذ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ اس اعلان سے آخر گنگوہی صاحب کا مدعا کیا ہے؟ کافی غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے عام لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ خدا کے یہاں ان کا مقام 'بشریت' کی سطح سے بھی اونچا ہے کیونکہ نبی بھی اگرچہ بشر ہی ہوتے ہیں لیکن دیوبندی حضرات کے تئیں ان سے بھی غلطی واقع ہوسکتی ہے جیسا کہ تھانوی صاحب اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

'تحقیق کی غلطی ولایت بلکہ نبوت کے ساتھ بھی جمع ہوسکتی ہے'۔ (فتاویٰ امدادیہ، ج ۲ ص ۶۲)

اب اس مقام پر میں آپ کو ایک سخت قسم کے امتحان میں مبتلا کر کے آگے بڑھتا ہوں یہ فیصلہ اب آپ کی غیرت ایمانی کا فریضہ ہے کہ اپنے پیغمبر کے ساتھ وفاداری کا شیوہ کیا ہے؟ خدا کرے فیصلہ کرتے وقت آپ کا دل کسی جذبۂ پاسداری کا شکار نہ ہو۔

آٹھواں واقعہ

یہی ارواح ثلاثہ کے مصنف امیر شاہ خان' گنگوہی صاحب کے متعلق اس واقعہ کے بھی راوی ہیں...... بیان کرتے ہیں کہ

ایک دفعہ حضرت گنگوہی جوش میں تھے اور تصورِ شیخ کا مسئلہ در پیش تھا۔ فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا فرمایئے تو فرمایا، تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے اس سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا پھر اور جوش آیا فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا حضرت ضرور فرمایئے۔ فرمایا کہ اتنے سال حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ کے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے! مگر خاموش ہوگئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔ (ارواح ثلٰثہ، ص ۲۹۱)

یعنی معاذ اللہ اب خدا کا چہرہ بھی دل میں تھا۔

واضح رہے کہ یہاں بات مجاز و استعارہ کی زبان میں نہیں ہے، جو کچھ کہا گیا ہے وہ قطعاً اپنے ظاہر پر محمول ہے اسلئے کہنے دیا جائے کہ یہاں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مراد حضورِ اکرم کا نور نہیں ہے بلکہ حضور سے خود حضور ہی مراد ہیں کیونکہ نور ایک جوہر لطیف کا نام ہے اس کے ساتھ تو ہم کلام ہونے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں ہے۔

اب اہل نظر کیلئے یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ بات اپنی فضیلت و بزرگی کی آگئی ہے تو سارے محالات ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہوگئے ہیں۔

اب یہاں کسی طرف سے یہ سوال نہیں اٹھتا کہ معاذ اللہ جتنے دنوں تک حضور آپ کے دل میں مقیم رہے اتنے دنوں تک وہ اپنی تربت پاک میں موجود تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تھے تو کیا اتنے دنوں تک تربت پاک خالی پڑی رہی؟ اور اگر موجود تھے تو پھر تھانوی صاحب کے اس سوال کا کیا جواب ہوگا جو انہوں نے محافل میلاد میں حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سوال پر اٹھایا ہے کہ

اگر ایک وقت میں کئی جگہ محفل میلاد منعقد ہو تو آیا سب جگہ آپ تشریف لے جاویں گے یا نہیں؟ یہ ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جاویں کہیں نہ جاویں اور اگر سب جگہ جاویں تو وجود آپ کا واحد ہے، ہزار جگہ کس طور پر جا سکتے ہیں۔ (فتاویٰ امدادیہ، ج ۲ ص ۵۸)

زاویہ نگاہ کا یہ فرق کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی روحانی برتری اور غیبی قوت ادراک کے سوال پر ذہن کے بھرپور اعتراف کے ساتھ سب خاموش رہے اور بات محبوب کردگار کی آ گئی تو عقل فتنہ پرور نے ایسی ایسی بال کی کھال نکالی کہ آدمی کا یقین واعتماد گھائل ہو کے رہ گیا۔ اگر انصاف کا جذبہ شریک نظر رہا تو دیوبندی حضرات کا یہ مخصوص انداز فکر آپ اس کتاب میں جگہ جگہ محسوس کریں گے۔

اور گنگوہی صاحب کے اس واقعہ کا ایک رخ تو اتنا اشتعال انگیز ہے کہ سوچتا ہوں تو آنکھوں سے خون ٹپکنے لگتا ہے یہ کہہ کر کوئی کام انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں کیا دوسرے لفظوں میں اپنے جسم و جوارح اور زبان وقلم کی ساری تقصیرات کو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ یہ دعویٰ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان ایام میں ان سے کوئی خلافِ شرع کام صادر نہیں ہوا اور جب ہوا تو انہی کے بیان کے مطابق ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ وہ خلافِ شرع کام بھی انہوں نے حضور ہی کے ریاء سے کیا۔

چند اور عبرت انگیز کہانیاں

آپ کی نگاہوں پر بار نہ ہو تو تذکرۃ الرشید میں گنگوہی صاحب سے متعلق مشرکانہ اختیارات اور پیغمبرانہ تعدیوں کی جو کہانیاں نقل کی گئی ہیں اس میں سے دو چار کہانیاں نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:۔

پہلی کہانی

تذکرۃ الرشید کے مصنف بیان کرتے ہیں کہ بارہا آپ کو اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا:۔

سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بہ قسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۱۷)

پاسداری کے جذبے سے الگ ہو کر صرف ایک لمحے کیلئے سوچیے؟ وہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ رشید احمد کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ حق ہے بلکہ ان کے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ حق صرف رشید احمد ہی کی زبان سے نکلتا ہے دونوں کا فرق یوں محسوس کیجئے کہ پہلے جملے کو صرف خلافِ واقعہ کہا جا سکتا ہے لیکن دوسرا جملہ تو خلاف واقعہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس دور کے تمام پیشوایان اسلام کی حق گوئی کو ایک کھلا ہوا چیلنج بھی ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں مولوی رشید احمد صاحب کے علاوہ کسی کی زبان بھی کلمہ حق سے آشنا نہیں ہوئی۔

افسوس کہ گنگوہی صاحب کے اس دعویٰ کو مشتہر کرتے ہوئے دیوبندی علماء نے قطعاً یہ محسوس نہیں کیا کہ اس میں دوسرے حق پرست علماء کی کتنی صریح توہین موجود ہے۔

اور اخیر کا یہ جملہ کہ 'اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر' پہلے سے بھی زیادہ خطرناک اور گمراہ کن ہے گویا حصولِ نجات کیلئے اب رسول عربی فداہ ابي وامي کا اتباع ناکافی ہے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ کسی کے اتباع پر نجات موقوف ہو یہ شان صرف رسول کی ہو سکتی ہے' نائبِ رسول ہونے کی حیثیت سے علمائے کرام کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اتباع رسول کی دعوت دیں' اپنے اتباع کی دعوت دینا قطعاً ان کا منصب نہیں ہے۔ لیکن صاف عیاں ہے کہ گنگوہی صاحب اس منصب پر قناعت نہیں کرنا چاہتے۔

پھر ایک طرف تو گنگوہی صاحب اپنی اتباع کی دعوت دے کر لوگوں سے اپنا حکم اور اپنی راہ ورسم منوانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کا فرمان یہ ہے:۔

کسی کی راہ ورسم کو ماننا اور اس کے کلمہ کو اپنی پسند سمجھنا یہ بھی ان ہی باتوں میں سے ہے کہ خاص اللہ تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائے ہیں، پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اس پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۴۲)

اب اس الزام کا جواب ہمارے سر نہیں کہ جو معاملہ کسی مخلوق کے ساتھ شرک تھا وہی گنگوہی صاحب کیساتھ اچانک کیونکر مدارِ نجات بن گیا کہیں نجات کا دروازہ بند اور کہیں اس کے بغیر نجات ہی نہ ہو...... آخر یہ معمہ کیا ہے؟

دوسری کہانی

تذکرۃ الرشید کے مصنف لکھتے ہیں:۔

مولوی عبد السبحان انسپکٹر پولیس ضلع گوالیار فرماتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپے کا مطالبہ ہوا ان کے بھائی یہ خبر پاکر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی خدمت میں گنج مراد آباد پہنچے۔ حضرت مولانا نے وطن دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا دیوبند۔ مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا، گنگوہ میں حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے، اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟

انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا، تم گنگوہ ہی جاؤ تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے، میں اور تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔
(تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۱۵)

بات اپنے شیخ کی فضیلت و برتری کی آ گئی ہے تو اب یہاں کوئی سوال نہیں اٹھتا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو پردہ غیب کا یہ راز کیونکر معلوم ہوگیا کہ مشکل کشائی مولوی رشید احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے اور کس علم کے ذریعے انہوں نے تمام روئے زمین کے اولیاء کی دعاؤں کا فرداً فرداً وہ انجام معلوم کرلیا جس کا تعلق صرف خدا کی ذات کے ساتھ ہو اور وہ بھی اتنا جھٹ پٹ کہ ادھر منہ سے بات نکلی اور ادھر عرش سے لے کر فرش تک غیب و شہود کے سارے احوال منکشف ہوگئے۔

معاذ اللہ اپنے شیخ کی برتری ثابت کرنے کیلئے ایک طرف اپنے عقیدے کا خون کیا گیا اور دوسری طرف روئے زمین کے جملہ اولیاء اللہ کی عظمتوں کو بھی مجروح کردیا گیا۔

تیسری کہانی

تذکرۃ الرشید کا مصنف لکھتا ہے کہ

جس زمانے میں مسئلہ امکان کذب پر آپ کے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتویٰ شائع کیا۔ سائیں توکل شاہ انبالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے حضرت امام ربانی قدس سرہ (گنگوہی صاحب) کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں یہ سن کر سائیں توکل شاہ نے گردن جھکالی اور تھوڑی دیر مراقب رہ کر منہ اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں یہ الفاظ فرمائے:۔

'لوگو! تم کیا کہتے ہو؟ میں مولوی رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں'۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۳۲۲)

کیا سمجھے آپ؟ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کے قلم کی لمبائی عرش کی سرحد کو پار کر گئی تھی بلکہ اس جملے کی تشہیر سے یہ دعویٰ کرنا مقصود ہے کہ تقدیر الٰہی کے نوشتے آپ ہی کے رشحاتِ قلم سے مرتب ہو رہے تھے اور قضاء وقدر کا محکمہ آپ ہی کے قلم کے تابع کر دیا گیا تھا۔

اور سائیں کی نگاہ کی دُور رسی کا کیا کہنا کہ فرش پر بیٹھے اس نے عرش کے اس پار کا نظارہ کر لیا۔

اور اس قصے میں سب سے زیادہ دلچسپ تماشا تو یہ کہ دانشورانِ دیوبند نے ایک دیوانے کی بڑ کو نظر انداز کرنے کی بجائے اسے قبول بھی کر لیا اور قبول ہی نہیں کیا بلکہ اسے اپنا عقیدہ بنا لیا جیسا کہ اس کتاب کا مصنف اس واقعہ کا راوی ہے:۔

مولوی ولایت علی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ہمراہ سفر حج میں ایک حکیم صاحب ساکن انبالہ تھے جو اعلیٰ حضرت حاجی (امداد اللہ) کے مرید تھے اسی تعلق سے ان کو حضرت امام ربانی کے ساتھ تعارف بلکہ غایت عقیدت تھی وہ فرمانے لگے،

میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ مولانا کی زبان سے جو بات نکلتی ہے تقدیر الٰہی کے مطابق ہے۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۱۹)

یہ خبر اگر صحیح ہے تو اس کی صحت کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو گنگوہی صاحب جملہ مقدرات پر مطلع تھے کہ زبان اس کے خلاف کھلتی ہی نہیں تھی یا پھر ان کے منہ میں زبان نہیں تھی بلکہ 'کن' کی کنجی تھی کہ جو بات منہ سے نکلی وہ کائنات کا مقدر بن گئی۔

ان دونوں باتوں میں سے جو بات بھی اختیار کی جائے' دیوبندی مذہب پر دین و دیانت کا ایک خون ضروری ہے۔

چوتھی کہانی

مخلص الرحمٰن نامی گنگوہی صاحب کے ایک مرید تھے ان کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف کا یہ بیان پڑھیے...... لکھتے ہیں کہ ایک روز خانقاہ میں لیٹے ہوئے اپنے شغل میں مشغول تھے کہ کچھ سکر پیدا ہوا اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو دیکھا کہ سامنے تشریف لئے جارہے ہیں چلتے چلتے ان کو مخاطب بنا کر اس طرح امر فرمایا کہ دیکھو! جو چاہو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے چاہنا۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۳۰۹)

شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کا گھرانہ ہندوستان میں عقیدہ توحید کا سب سے بڑا محافظ سمجھا جاتا تھا لیکن سخت تعجب ہے کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر مولوی رشید احمد سے سب کچھ چاہنے کی ہدایت فرمائی۔ شاہ کی طرف اتنا بڑا شرک منسوب کرتے ہوئے واقعہ کے راویوں کو کچھ تو شرم محسوس کرنی چاہئے تھی۔ ایک طرف تو اپنے 'مولانا' کو با اختیار اور صاحبِ تصرف ثابت کرنے کیلئے شاہ ولی اللہ صاحب کی زبانی یہ کہلوایا جاتا ہے اور دوسری طرف اپنی توحید پرستی کا ڈھونگ رچانے کیلئے عقیدہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے:۔

ہر کسی کو چاہئے کہ اپنی حاجت کی چیزیں اپنے ربّ سے مانگے یہاں تک کہ لون (نمک) بھی اسی سے مانگے اور جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جائے وہ بھی اسی سے مانگے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۳۲)

اور اس واقعہ میں مرید کا مشاہدۂ غیب بھی کتنے زور کا ہے کہ سر کی آنکھوں سے وہ ایک وفات یافتہ بزرگ کو دیکھ لیتا ہے اور ان سے ہم کلامی کا شرف بھی حاصل کرتا ہے نہ اس کی نگاہ پر عالم برزخ کا کوئی حجاب حائل ہوتا ہے اور نہ شاہ صاحب کو اپنی لحد سے نکل کر اس کے روبرو ہو جانے سے کوئی چیز مانع ہوتی ہے۔

دیکھ رہے ہیں آپ! توحید کے ان اجارہ داروں نے کتنی طرح کی شریعتیں گھڑ لی ہیں انبیاء و اولیاء کیلئے کچھ' اور اپنے گھر کے بزرگوں کیلئے کچھ۔ ہے کوئی انصاف کا خوگر! جو اس جورِ بے اماں کا انصاف کرے!!!

پانچویں کہانی

آگرہ کے کوئی منشی امیر احمد تھے۔ تذکرۃ الرشید کے مصنف نے ان کی زبانی ان کا عجیب وغریب خواب نقل کیا ہے۔ موصوف بیان کرتے ہیں کہ گنگوہ کا ایک شخص شیعہ مذہب مرگیا اور میں نے اسے خواب میں دیکھا فوراً اس کے ہاتھ کے دونوں انگوٹھے میں نے پکڑ لئے وہ گھبرا گیا اور پریشان ہوکر بولا جلدی پوچھو جو پوچھنا ہے مجھے تکلیف ہے میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ مرنے کے بعد تم پر کیا گزری اور اب کس حال میں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ عذاب الیم میں گرفتار ہوں۔ حالتِ بیماری میں مولانا رشید احمد صاحب دیکھنے تشریف لائے تھے جسم کے جتنے حصے پر مولوی صاحب کا ہاتھ لگا بس اتنا جسم تو عذاب سے بچا ہے باقی جسم پر عذاب ہو رہا ہے اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۳۲۴)

بات آگئی ہے تو اسی تذکرۃ الرشید کے مصنف نے اسی قسم کا ایک خواب مولوی 'اسماعیل نامی' دیوبندی بزرگ کے کسی خادم کے متعلق نقل کیا ہے لگے ہاتھوں ذرا اسے بھی پڑھ لیجئے...... لکھتے ہیں کہ

ایک خادم تھا مولوی اسماعیل صاحب کا، جب انتقال ہوگیا تو کسی نے اس کو خواب میں دیکھا کہ سارے بدن میں آگ لگی ہوئی ہے مگر ہتھیلیاں سالم اور محفوظ ہیں اس نے پوچھا کیوں بھئی کیا حال ہے؟ اس نے کہا، کیا کہوں اعمال کی سزا مل رہی ہے سارے بدن کو تکلیف ہے مگر یہ ہاتھ حضرت مولانا کے پاؤں کو لگے تھے اس لئے حکم ہوا کہ ان کو آگ لگاتے ہمیں شرم آتی ہے۔ (ج ۲ ص ۴۷)

دیکھ رہے ہیں آپ! دربارِ الٰہی میں ان حضرات کی وجاہت ومقبولیت کا عالم؟ عذابِ آخرت سے چھٹکارا دلانے کیلئے زبان کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی صرف ہاتھ لگا دینا کافی ہوگیا اور شیعہ جیسا باغی حق بھی ہاتھوں کی برکت سے محروم نہیں رہا۔

ایک یہ حضرات ہیں کہ عالم اسفل ہی نہیں عالم بالا میں بھی ان کی شرکت وسطوت کے ڈنکے بج رہے ہیں لیکن رسولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

اللہ نے اپنے پیغمبر کو حکم کیا کہ لوگوں کو سنا دیویں کہ میں تمہارے نفع ونقصان کا کچھ مالک نہیں اور تم جو مجھ پر ایمان لے آئے اور میری اُمت میں داخل ہوئے سو اس پر مغرور ہوکر حد سے مت بڑھنا کہ ہمارا پایہ مضبوط ہے اور ہمارا وکیل زبردست ہے اور ہمارا شفیق بڑا محبوب! سو ہم جو چاہیں سو کریں وہ ہم کو اللہ کے عتاب سے بچالے گا کیونکہ یہ بات محض غلط ہے اس واسطے کہ میں آپ ہی ڈرتا ہوں، اور اللہ سے ڈرے کہیں بچاؤ نہیں جانتا سو دوسرے کو کیا بچا سکوں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۴۸)

ضمنی طور پر درمیان میں یہ بات بھی نکل آئی تھی اب پھر اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹتا ہوں۔

گنگوہی صاحب کی غیبی قوتِ ادراک کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ

حاجی دوست محمد خان کوئی کوتوال تھے تذکرۃ الرشید کے مصنف ان کے لڑکے کے متعلق یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ

حاجی دوست محمد کے صاحبزادے عبدالوہاب خان ایک شخص کے معتقد تھے اور بیعت کا قصد کیا وہ شخص جس سے بیعت ہونا چاہتے تھے محض صورت کے درویش تھے اور واقع میں پکے دُنیادار، اس لئے دوست محمد خان کو صاحبزادے کی یہ بھی پسند نہ آئی اور کئی بار منع کیا کہ اس شخص سے مرید نہ ہو۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۳۱۵)

ہزار روکنے کے باوجود عبدالوہاب خان اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور آخر ایک دن مرید ہونے کی نیت سے چل کھڑا ہوا اس کے بعد کا واقعہ سننے کے قابل ہے لکھا...... ہے کہ

آخر حاجی صاحب نے جب بیٹے کا اصرار دیکھا تو بتقاضائے محبت دست بدعا ہوئے اور مراقب ہو کر حضرت (گنگوہی) کی جانب متوجہ ہو کر خلوت میں جا بیٹھے۔ (ص ۲۱۵)

ادھر باپ اپنے پیر کو حاضر و ناظر تصور کر کے مصروفِ مناجات تھا اب ادھر بیٹے کا اقصہ سنئے...... لکھتے ہیں کہ

عبدالوہاب اپنے پیر کے پاس آئے اور مودب دوزانو بیٹھ گئے۔ بے اختیار پیر کی زبان سے نکلا اوّل باپ سے اجازت لے آؤ اس کے بغیر بیعت مفید نہیں غرض ہاتھ بیعت کیلئے تھام کر چھوڑ دیئے اور انکار فرمادیا۔ (ص ۲۱۶)

اب اس کے بعد سوانح نگار کا یہ تہلکہ خیز بیان چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے..... لکھتے ہیں کہ

حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں امام ربانی کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت غایت شفقت کے ساتھ عبدالوہاب کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ میں پکڑاتے اور یوں فرماتے ہیں، لو اب یہ اس کا مرید نہ ہوگا۔ یہ وہی وقت تھا کہ انہوں نے عبدالوہاب کا ہاتھ چھوڑا اور یہ کہہ کر بیعت سے انکار کیا کہ باپ سے اجازت لے آؤ۔ (ص ۲۱۶)

لا الہ الا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ! اپنے شیخ کے حق میں جذبہ عقیدت کی فراوانی کا تماشا! ادھر حاجی صاحب نے تصور کیا اور ادھر گنگوہی صاحب کو ساری خبر ہوگئی اور صرف خبر ہی نہیں ہوئی بلکہ وہیں سے بیٹھے بیٹھے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے ہاتھ میں دے بھی دیا اور دوسری طرف پیر کے دل پر بھی تصرف کیا کہ انہوں نے بغیر کسی سبب ظاہری کے دفعۃً مرید کرنے سے انکار کر دیا اور حاجی صاحب کی غیبی قوت ادراک کا کیا کہنا کہ اپنے خلوت کدے ہی سے انہوں نے دیکھ لیا کہ گنگوہی صاحب بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے ہاتھ میں دے رہے ہیں اور ان کی آواز بھی سن لی کہ 'لو اب یہ اس کا مرید نہیں ہوگا'۔ نہ آنکھوں پر درمیان کے حجاب حائل ہوئے اور نہ بُعدِ مسافت کانوں تک آواز پہنچنے میں مانع ہوئی۔

یہ تو رہا دیوبندی حضرات کا اپنے گھر کے بزرگوں کے بارے میں عقیدہ! اب انبیاء واولیاء کے حق میں ان کا کیا عقیدہ ہے لگے ہاتھوں ذرا اسے بھی پڑھ لیجئے:۔

(جو کوئی کسی کی) صورت خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے' سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں خواہ یہ عقیدہ انبیاء واولیاء سے رکھے خواہ پیر وشہید سے خواہ امام وامام زادہ سے خواہ بھوت و پری سے پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدہ سے ہر طرف شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان،ص ۸)

اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ دلچسپ چیز تو خود مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ فتویٰ ہے جو فتاویٰ رشیدیہ میں شائع کیا گیا ہے کہ کسی نے یہ سوال دریافت کیا کہ تصور کرنا اولیاء اللہ کا مراقبہ میں کیسا ہے؟ اور یہ جاننا کہ ان کا تصور باندھتے ہیں تو وہ ہمارے پاس موجود ہو جاتے ہیں اور ہم کو معلوم ہو جاتے ہیں' ایسا اعتقاد کرنا کیسا ہے؟

الجواب......ایسا تصور درست نہیں اندیشہ شرک کا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ا ص ۸)

وہ واقعہ تھا یہ عقیدہ۔ اور دونوں کے درمیان جو کھلا ہوا تضاد ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

اب اس کا شکوہ کس سے کیا جائے کہ صحیح وغلط اور درست و نادرست کو ناپنے کیلئے دیوبندی حضرات کے یہاں الگ الگ پیمانے کیوں ہیں؟

اس بات کا علم کہ کون کب مرے گا

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید میں کئی ایسے واقعات نقل کیے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ گنگوہی صاحب کو اپنی اور دوسروں کی موت کا بھی علم تھا کہ کون کب مریگا۔ لکھا ہے کہ ایک بار نواب چھتاری سخت بیمار ہوئے یہاں تک کہ سب لوگ ان کی زیست سے ناامید ہوگئے ہر طرف سے مایوس ہوجانے کے بعد ایک شخص کو گنگوہی صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا کہ وہ نواب صاحب کیلئے دعا کریں۔ قاصد نے وہاں پہنچ کر ان سے دعا کی درخواست کی اب اس کے بعد کا واقعہ خود سوانح نگار کی زبانی سنئے......لکھتے ہیں:۔

آپ نے حاضرین جلسہ سے فرمایا بھائی دعا کرو چونکہ حضرت نے خود دعا کا وعدہ نہیں فرمایا اس لئے فکر ہوئی اور عرض کیا گیا کہ حضرت آپ دعا فرمادیں۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا، امر مقدر کردیا گیا ہے اور ان کی زندگی کے چند روز باقی ہیں حضرت کے ارشاد پر اب کسی عرض ومعروض کی گنجائش نہ رہی حیات سے سب کو ناامیدی ہوگئی۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۰۹)

مگر قاصد کو گنگوہی صاحب کے 'کن' پر کتنا اعتقاد تھا اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں...... تاہم قاصد نے عرض کیا کہ حضرت یوں دعا فرمایئے کہ نواب صاحب کو ہوش آجائے اور وصیت وانتظام ریاست کے متعلق جو کچھ کہنا سننا ہو کہہ سن لیں۔ آپ نے فرمایا خیر اس کا مضائقہ نہیں اس کے بعد دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا ان شاء اللہ افاقہ ہوجائے گا۔ (تذکرۃ الرشید، ص ۲۰۹)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نواب کو دفعۃً ہوش آگیا اور ایسا افاقہ ہوا کہ عافیت وصحت کی خوشخبری دور دور تک پہنچ گئی کسی کو خیال بھی نہ رہا کہ کیا ہونے والا ہے اچانک حالت پھر بگڑی اور "مخیر" و دریا دل نیک نفس سخی رئیس نے انتقال بہ عالم آخرت کیا۔ (ص ۲۰۹)

دیکھ رہے ہیں آپ! امر الٰہی میں تصرف واختیار کا عالم! جیسے مقدر کے سارے نوشتے پیش نظر ہیں۔ یہاں تک معلوم ہے کہ کیا ہوسکتا ہے اور کیا نہیں ہوسکتا کس امر میں مضائقہ ہے کس میں نہیں گویا قضاء وقدر کا محکمہ بالکل اپنے گھر کا کاروبار ہوگیا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو دیوبندی علماء کی نظر میں اپنے گھر کے بزرگوں کا مقام یہ ہے اور دوسری طرف محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ان کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

سارا کاروبار جہاں کا اللہ کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۲)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک اُمتی کیلئے یہ ڈوب مرنے کی جا ہے یا نہیں؟

دوسرا واقعہ

مولوی صادق الیقین نام کے کوئی صاحب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے دوستوں میں تھے اور ان کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:۔

حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سخت علیل ہوئے۔ واقفین احباب بھی یہ خبر سن کر پریشان ہوگئے اور حضرت سے عرض کیا دعا فرمادیں حضرت خاموش رہے اور بات کو ٹال دیا جب دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے تسلی دی اور فرمایا میاں وہ ابھی نہیں مریں گے اور اگر مریں گے تو میرے بعد۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مرض سے صحت حاصل ہوگئی اور حضرت کے وصال کے بعد اسی سال بہ ماہ شوال حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے مرض ہی میں عرفات کا سفر کیا یہاں تک کہ شروع محرم میں واصل بحق ہوکر جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید، ج۲ ص۲۰۹)

ملاحظہ فرمایئے! صرف اتنا ہی معلوم نہیں تھا کہ وہ ابھی نہیں مریں گے بلکہ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ کب مرینگے، وہ میرے بعد مرینگے اس کے ایک جملے نے دونوں کا حال ظاہر کردیا، اپنا بھی اور ان کا بھی' اسے کہتے ہیں غریب دانی! نہ جبریل کا انتظار نہ خدا کے بتانے کی احتیاج!

تیسرا واقعہ

مولوی نظر محمد خان نامی کوئی شخص تھے جو گنگوہی صاحب کے دربار کے حاضر باش تھے۔ ان کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف کا یہ بیان پڑھئے...... لکھتے ہیں کہ

مولوی نظر محمد خان نے ایک مرتبہ پریشان ہوکر عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص جو والد صاحب سے عداوت رکھتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد اب مجھ سے ناحق عداوت رکھتا ہے۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا وہ کب تک رہے گا۔ چند روز گزرے تھے کہ دفعۃً وہ شخص انتقال کرگیا۔ (تذکرۃ الرشید، ج۲ ص۲۱۴)

یا تو یہ کہا جائے کہ گنگوہی صاحب کو اس کی زندگی کے بچے کھچے دن معلوم ہوگئے تھے اور انہوں نے سوالیہ لہجے میں اسے ظاہر کردیا تھا یا پھر یہ کہا جائے کہ گنگوہی صاحب کے منہ سے نکلتے ہی اس غریب کی موت واجب ہوگئی اور چاروناچار اسے مرنا ہی پڑا۔ دونوں شقوں میں سے جو شق بھی اختیار کی جائے دیوبندی مذہب پر شرک سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔

چوتھا واقعہ

اب تک تو دوسروں کی موت کے علم سے متعلق واقعات بیان ہوئے اب خود مولوی رشید احمد گنگوہی کا اپنا واقعہ سنئے ان کا سوانح نگار ان کی موت کی اصل تاریخ یوں نقل کرتا ہے:۔

بہ اختلاف روایت ۸ یا ۹ جمادی الثانیہ مطابق 11 اگست 1905ء کو بہ یوم جمعہ بعد از ان یعنی ساڑھے بارہ بجے آپ نے دنیا کو الوداع کہا۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۳۳۱)

حضرت امام ربانی قدس سرہ کو چھ روز پہلے سے جمعہ کا انتظار تھا۔ بہ یوم شنبہ دریافت فرمایا کہ آج کیا جمعہ کا دن ہے؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت آج تو شنبہ ہے اس کے بعد درمیان میں بھی کئی بار جمعہ کو دریافت کا حتیٰ کہ جمعہ کے دن جس روز وصال ہوا صبح کے وقت دریافت فرمایا کہ کیا دن ہے؟ اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن ہے تو فرمایا 'انا للہ وانا الیہ راجعون'۔ (ص ۳۳۱)

اس بات سے پتا چلتا ہے کہ چھ دن قبل ہی آپ کو اپنی موت کا علم ہوگیا تھا اور یہ علم اتنا ہی یقینی طور پر تھا کہ جب جمعہ کا دن آیا تو آپ نے کلمہ ترجیع پڑھ لیا۔

ملاحظہ فرمایئے! ایک طرف تو گھر کے بزرگوں کیلئے انتہائی فراخ دلی کے ساتھ یہ جذبۂ اعتراف ہے اور دوسری طرف اسی موت کے علم سے متعلق انبیاء و اولیاء کے حق میں عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

اسی طرح جب کوئی اپنا حال نہیں جانتا کہ کل کو کیا کرے گا تو کسی کا کیونکر جان سکے اور جب اپنے مرنے کی جگہ نہیں جانتا اور کسی کے مرنے کی جگہ یا وقت کیونکر جان سکے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۳)

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ مذکورہ بالا واقعات سے کیا یہ حقیقت بالکل بے نقاب نہیں ہوجاتی کہ شرک و انکار کی یہ ساری تعزیرات جو دیوبندی لٹریچر میں پھیلی ہوئی ہیں صرف انبیاء و اولیاء کے حق میں ہیں، گھر کے بزرگوں پر قطعاً ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔

غیبی قوتِ ادراک کا ایک عجیب وغریب قصہ

اب تذکرۃ الرشید کے مصنف کی زبانی عام اُمورِ غیبیہ کے مشاہدہ خبر سے متعلق گنگوہی صاحب کا ایک حیرت انگیز قصہ سنئے۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے عقیدت مندوں میں میر واجد علی قنوجی کوئی شخص گزرے ہیں ان ہی سے یہ روایت نقل کی گئی ہے لکھا ہے کہ

میر واجد علی قنوجی فرماتے ہیں کہ میرے مرشد حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ گیا۔ خانقاہ میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اس کو اٹھا کر کنویں میں سے پانی کھینچا اور اس میں پانی بھر کر پایا تو پانی کڑوا تھا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی عرض کیا آپ نے فرمایا کنویں کا پانی تو میٹھا ہے کڑوا نہیں ہے میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا جس میں پانی بھرا تھا۔ حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اس کو رکھ دو یہ فرما کر ظہر کی نماز میں مشغول ہوگئے سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیبہ جس قدر جس سے پڑھا جائے پڑھو اور خود بھی حضرت نے پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے اس کے بعد بدھنا اٹھا کر آپ نے پانی پیا شیریں تھا۔ اس وقت مسجد میں جتنے نمازی تھے سب نے چکھا کسی قسم کی تلخی اور کڑواہٹ نہ تھی تب حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمدللہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہوگیا۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۱۲)

یہ واقعہ بھی عالم برزخ کے حالات غیب سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی غیب دانی کا یقین دلانے کیلئے اتنا بتا دینا کیا کم تھا لیکن آپ نے یہاں تک بتا دیا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ اب عذاب رفع بھی ہوگیا! اسے کہتے ہیں مطلق الغان غیبی دانی کہ جدھر نگاہ اٹھی مستور حقیقتوں کے چہرے خود بخود بے نقاب ہوتے چلے گئے۔ اپنی غیب دانی کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے لیکن سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں یہی گنگوہی صاحب تحریر فرماتے ہیں خون ناب آنکھوں سے عبارت پڑھئے:۔

یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲ ص ۱۴۱)

اب کھلی ہوئی بے وفائی کا فیصلہ میں آپ ہی کے وفا آشنا دل پر چھوڑتا ہوں۔

عقیدۂ توحید سے انحراف کا ایک عبرت انگیز واقعہ

ضلع جالندھر میں منشی رحمت علی نام کے کوئی صاحب کسی سرکاری اسکول میں ملازم تھے۔ تذکرۃ الرشید کے مصنف نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ابتداء میں یہ صاحب خالص درجے کے بدعتی تھے انہیں حضرت پیران پیر سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ حافظ محمد صالح نام کے ایک دیوبندی مولوی کی خدمت میں رہ کر کچھ دنوں تک انہیں استفادہ کا موقع ملا جس سے بہت حد تک ان کے عقائد وخیالات میں تبدیلی واقع ہوگئی اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سنئے لکھتے ہیں کہ

حافظ محمد صالح دام مجدہ کی شاگردی کے زمانے میں اکثر حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے محامد ومناقب ان کے کان میں پڑتے مگر یہ متاثر نہ ہوتے اور یوں خیال کیے ہوئے تھے کہ جب تک حضرت پیرانِ پیر خواب میں تشریف لاکر خود ارشاد نہ فرماویں گے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو، اس وقت تک بہ طور خود کسی سے بیعت نہ کروں گا اسی حالت میں ایک مدت گزرگئی کہ یہ اپنے خیال پر جمے رہے۔

آخر ایک شب حضرت پیران پیر قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانے میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادہ سے واقف ہوجاتے ہیں اور جو ذکر وشغل اس کے مناسب ہوتا ہے وہی بتلاتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ص ۳۱۲)

دیکھ لیا آپ نے! صرف اپنے شیخ کی غیب دانی کا سکہ چلانے کیلئے حضرت سیّد الاولیاء سرکار غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ایک ایسے عقیدے کی تشہیر کی جارہی ہے جو دیوبندی مذہب میں قطعاً شرک ہے۔

اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ بیان کا لب ولہجہ تردیدی بھی نہیں کہ الزام اپنے سے ٹال سکیں۔

اب ایک طرف یہ واقعہ نظر میں رکھئے اور دوسری طرف تقویۃ الایمان کی یہ عبارت پڑھئے توحید پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا:۔

جوکوئی کسی کے متعلق یہ تصور کرے کہ جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال ووہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو اس باتوں سے مشرک ہوجاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۸)

دل پہ ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ گنگوہی صاحب کے اندر غیبی قوتِ ادراک ثابت کرنے کیلئے ان حضرات کو شرک کے کتنے مراحل سے گزرنا پڑا۔

پہلا شرک یہ ہے کہ حضور غوث الوریٰ اگر غیب دان نہیں تھے تو انہیں کیونکر معلوم ہوا کہ ہمارا فلاں مرید معتقد ہونے کیلئے ہماری بشارت کا منتظر ہے اور دوسرا شرک یہ ہے کہ ان کے اندر یہ قوتِ تصرف بھی مان لی گئی کہ وفات کے بعد بھی جس کسی کی مدد فرمانا چاہیں فرما سکتے ہیں۔ تیسرا شرک یہ ہے کہ سلام کے بعد اگر گنگوہی صاحب کے دل کی کیفیت ان کے پیش نظر نہیں تھی تو انہیں کس طرح معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کو حق تعالیٰ نے ایسا علم بخشا ہے کہ آپ سلام کرنے والے کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن یہ سارا شرک صرف اس لئے گوارا کیا گیا کہ اپنے مولانا کی عظمت و بزرگی کیلئے اس واقعہ کو دستاویز بنانا مقصود تھا ورنہ جہاں ماننے کا تعلق ہے یہ حضرت سرکار غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اس طرح کے غیبی قوت ادراک کے ہرگز قائل نہیں ہیں بلکہ اس کے اثبات کو شرک قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہی گنگوہی صاحب ندائے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للہ (یعنی اے شیخ عبدالقادر جیلانی خدا کیلئے کچھ عطا کیجئے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

اس کلام کا پڑھنا کسی وجہ سے جائز نہیں اگر شیخ قدس سرہ کو عالم الغیب و متصرف مستقل جان کر کہتا ہے تو خود شرک محض ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں تو ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں یہ ندا شرک نہ ہوا لیکن مشابہ شرک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱ ص ۵)

ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں سرکار غوثِ اعظم کے روحانی تصرف اور غیبی قوت ادراک کے سوال پر کتنے احتمالات پیدا کر دیئے گئے اور کیسی بال کی کھال نکالی گئی لیکن اپنی عظمت و بزرگی کی بات آ گئی تو اب انہیں سرکار غوث الوریٰ کے علم و اختیار پر کوئی شبہ وارد نہیں کیا گیا۔

گنگوہی صاحب کے ایک مرید پر مغیبات کا انکشاف

تذکرۃ الرشید کے مصنف گنگوہی صاحب کے ایک مرید کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ایک شخص بذریعہ خط آپ سے بیعت ہوئے اور تحریری تعلیم پر ذکر میں مشغول ہوئے۔ چند روز میں ان پر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ اولیائے سلاسل کی ارواح طیبات سے لقا حاصل ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کی پاک روحوں سے ملاقات ہوئے رفتہ رفتہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ سر سے لے کر قدم تک رگ رگ بال بال میں ارواح طیبات سے وابستگی ہے۔ اسی حالت میں ایک مدہوشی اور سکر کا عالم پیدا ہوتا ہے جس میں مغیبات کا انکشاف اور مجلس سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دربانی کا اعزاز حاصل ہوتا۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۱۴۳)

اب فکر و دانش کے اس افلاس کا شکوہ کس سے کیا جائے کہ 'دربان' کا تو یہ حال ظاہر کیا جاتا ہے کہ عالم غیب کا کوئی پردہ اس کی نگاہ پر حائل نہیں ہے۔ بالکل پڑوس میں رہنے والے دوستوں کی طرح انبیاء و اولیاء کی روحوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری ہے برزخ و غیب کے اسرار پیکر محسوس پیش نظر ہیں لیکن 'آقا' کے بارے میں عقیدے کی زبان کیا ہے ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

کسی انبیاء و اولیاء یا امام و شہید کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بلکہ حضرت پیغمبر کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے اور نہ ان کی تعریف میں ایسی بات کہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۶)

حاجی دوست محمد خان دہلوی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک نہایت مخلص خادم تھے۔ ایک بار ان کی اہلیہ کی طبیعت سخت خراب ہوئی اب اس کے بعد کا واقعہ تذکرۃ الرشید کے مصنف کی زبانی سنئے۔ علالت کی سنگینی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ہاتھ پاؤں کی نبضیں چھوٹ گئیں، غشی طاری ہوگئی اور تمام جسم ٹھنڈا ہوگیا۔ حاجی صاحب کو اہلیہ کے ساتھ محبت زیادہ تھی بے قرار ہوگئے۔ پاس آ کر دیکھا تو حالت غیر تھی، صرف سینہ میں سانس چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ زندگی سے مایوس ہوگئے رونے لگے اور سرہانے بیٹھ کر لیسین شریف پڑھنی شروع کر دی۔ چند لمحے گزرے تھے کہ دفعۃً مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھ بند کرلی۔ سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت اخیر ہے۔ حاجی دوست محمد خان اس حیرت ناک نگاہ کو دیکھ نہ سکے، بے اختیار وہاں سے اُٹھے اور مراقب ہوکر حضرت امام ربانی کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آ گیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہوجائے۔ مراقبہ کرنا تھا کہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور باتیں کرنی شروع کردیں۔ نبضیں ٹھکانے آگئیں اور افاقہ ہوگیا، دو تین دن میں قوت بھی آ گئی اور بالکل تندرست ہوگئیں۔

(تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۲۱)

اس واقعہ کے بعد سوانح نگار کا یہ زلزلہ خیز بیان پڑھئے اور دریائے حیرت میں غوطہ لگائیے......لکھتے ہیں کہ

حاجی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جس وقت مراقب ہوا حضرت کو اپنے سامنے پایا اور پھر تو یہ حال ہوا کہ جس طرف نگاہ کرتا ہوں حضرت امام ربانی کو بہ ہیئتِ اصلیہ موجود دیکھتا ہوں تین شبانہ روز یہی حالت رہی۔ (ص ۲۲۱)

نگاہ پر بار نہ ہو تو اسی کے ساتھ ذرا گنگوہی صاحب کا فتویٰ بھی پڑھ لیجئے:۔

کسی نے سوال کیا کہ تصور کرنا اولیاء اللہ کا مراقبہ میں کیسا ہے؟ اور یہ جاننا کہ جب ہم ان کا تصور باندھتے ہیں تو وہ ہمارے پاس موجود ہو جاتے ہیں اور ہم کو معلوم ہو جاتے ہیں' ایسا اعتقاد کرنا کیسا ہے؟

الجواب......ایسا تصور دُرست نہیں۔ اس میں اندیشہ شرک کا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ا ص ۸)

اس مقام پر اس سے زیادہ اور ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے کہ اولیاء اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ ہے اور اپنے شیخ کے بارے میں وہ واقعہ! ایک ہی بات ایک جگہ شرک ہے اور دوسری جگہ قابل تحسین واقعہ...... زاویہ نگاہ کے اس فرق کی معقول وجہ کیا ہو سکتی ہے اگر انصاف کا جذبہ شریک حال ہو تو خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔

پھر دیوبندی عقیدے کی بنیاد پر یہ سوال بھی اپنی جگہ پر ہے کہ آخر ایک ہی شخص کو ہر طرف بہ ہیئت اصلیہ دیکھنا کیونکر ممکن ہے؟ لیکن توحید کے اجارہ داروں کو مبارک ہو کہ یہ ناممکن بھی انہوں نے اپنے مولانا کیلئے ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقعہ بنا لیا۔

اب لگے ہاتھوں اس کے ساتھ انہی گنگوہی صاحب کا واقعہ سن لیجئے۔ یہی تذکرۃ الرشید کے مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی قصبہ نگینہ کے مولوی محمود حسن نامی کسی شخص سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

مولوی محمود حسن صاحب نگینوی فرماتے ہیں کہ میری خوش دامن صاحبہ جو اپنے والد کے ہمراہ مکہ معظمہ میں بارہ سال تک مقیم رہیں نہایت پارسا اور عابدہ وزاہدہ تھیں، سینکڑوں احادیث بھی ان کو حفظ تھیں۔

انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! حضرت (گنگوہی) کے بہت شاگرد مرید ہیں مگر کسی نے حضرت کو نہیں پہچانا۔ جن ایام میں میرا قیام مکہ معظمہ میں تھا روزانہ میں نے صبح کی نماز حضرت کو حرم شریف میں پڑھتے دیکھا اور لوگوں سے سنا بھی کہ یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہی گنگوہ سے تشریف لایا کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۱۴)

'روزانہ' کا لفظ بتا رہا ہے کہ کسی دن بھی وہ صبح کی نماز حرم شریف میں ناغہ نہیں کرتے تھے اور ان کی مدتِ قیام کے دوران یہ سلسلہ بارہ سال تک جاری رہا۔

اختلاف مطالعہ کی بنیاد پر اگر ہندوستان اور مکہ کے وقت میں چند گھنٹوں کا فرق بھی مان لیا جائے جب بھی چوبیں گھنٹوں میں سے کسی نہ کسی وقت معین پر حرم شریف میں پہنچنے کیلئے ان کا گھر سے غائب ہونا ازبس ضروری تھا لیکن مشکل یہ ہے انہی مولوی عاشق الٰہی نے اپنی اسی کتاب میں ان کے معمولات شبانہ روز کا جو گوشوارہ پیش کیا ہے اس میں انہیں چوبیں گھنٹے گنگوہ میں موجود دکھلایا ہے پھر بارہ سال تک روزانہ ایک وقتِ مقررہ پر اپنے گھر سے غائب ہوجانا اور پھر واپس لوٹ آنا ایسی چیز نہیں تھی جو لوگوں سے چھپی رہ جاتی اور اس کی شہرت نہ ہوتی۔

اس لئے لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ ایک ہی وقت میں مکے میں بھی موجود ہوتے تھے اور گنگوہ میں بھی حاضر رہتے تھے۔
اب حاجی دوست محمد خان کا مشاہدہ جو ابھی گزرا اور دیوبند کی پارسا خاتون کی یہ روایت دونوں نظر میں رکھئے تو واضح طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ایک ہی وقت میں متعدد جگہ موجود ہیں لیکن یہ سن کر آپ ششدر رہ جائیں گے کہ جس وصف کمال کو دیوبندی حضرات اپنے پیر مغاں کیلئے واقع مان رہے ہیں اسے رسولِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ممکن بھی تسلیم نہیں کرتے۔

چنانچہ محافل میلاد میں حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے امکان پر بحث کرتے ہوئے دیوبندی مذہب کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:۔

اگر ایک وقت میں کئی جگہ منعقد ہو تو آیا سب جگہ تشریف لے جاویں گے یا کہیں؟ یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جاویں کہیں نہ جاویں اور اگر سب جگہ جاویں تو وجود آپ کا واحد ہے ہزار جگہ کس طور جاسکتے ہیں؟ (فتاویٰ امدادیہ، ج ۴ ص ۵۸)

ذہن کی قوت فیصلہ اگر کسی غیر کی مٹھی میں رہن نہیں ہے تو اپنے رسول کے جذبۂ عقیدت کے ساتھ انصاف کیجئے اور اسی آئینے میں ان سارے اختلافات کی نوعیت بھی پڑھ لیجئے جو اہلسنّت اور دیوبندی حضرات کے درمیان نصف صدی سے جاری ہے۔

گزشتہ واقعات کا علم

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے اس کتاب میں ایسے متعدد واقعات نقل کیے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو غیبی طور پر بغیر کسی کی اطلاع کے گزرے ہوئے واقعات کی خبر بھی ہوجاتی تھی چنانچہ نمونے کے طور پر ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

منشی نثار علی اور گوہر خان ملازم پلٹن نمبر ۲۵ رخصت لے کر بارادۂ بیعت لکھنؤ سے گنگوہ روانہ ہونے کو تیار ہوئے، دروازہ پر سواری تک آ کھڑی ہوئی۔ اتفاق سے کسی حاکم کی آمد کا تار آیا اور عین وقت پر ان کو افسر کے حکم سے رُکنا پڑا۔ اس دن کے بعد فارغ ہوکر گنگوہ پہنچے تو حضرت نے صاف ارشاد فرمایا کہ تم دونوں صاحب فلاں روز روانہ ہونا چاہتے تھے مگر روک لئے گئے۔

اور جب کھانا دسترخوان پر آیا تو کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ دو ٹٹو بھی تو ہیں آخر وہ بھی میرے مہمان ہیں، اوّل ان کو گھاس دانہ پہنچانا چاہیے حالانکہ دونوں ٹٹوؤں پر سوار ہونے کی اطلاع آپ کو کسی آدمی نے نہیں دی تھی۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۲۴)

یہ اضافہ کہ حالانکہ دونوں ٹٹوؤں پر سوار ہوکر آنے کی اطلاع آپ کو کسی نے نہیں دی تھی، صرف اسلئے کیا گیا ہے کہ خوب اچھی طرح ظاہر ہوجائے کہ یہ غیب کی خبر تھی اور کسی طرح یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اور کسی نے ان کو اطلاع کردی ہوگی۔

آئندہ واقعات کا علم

اب آئندہ یعنی کل اور اس کے بعد کے علم سے متعلق واقعات کا سلسلہ ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا واقعہ

مولوی صادق الیقین نام کے کوئی صاحب تھے ان کے باپ سنی تھے لیکن وہ دیوبندی علماء کے زیر اثر رہ کر بدعقیدہ ہوگئے تھے جس کے سبب سے ان کے باپ اکثر ناراض رہا کرتے تھے جب باپ بیٹے کے درمیان کشیدگی بہت زیادہ بڑھ گئی تو مولوی صادق الیقین گنگوہ چلے گئے اب اس کے بعد کا واقعہ خود مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کی زبانی سنئے..... لکھا ہے کہ

(گنگوہ) آنے کو تو آگئے مگر والد صاحب کی ناراضگی کا اکثر خیال آتا تھا ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر تھے یکا یک حضرت نے ان سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے والد کی طرف خیال کیا تھا ان کے قلب میں تمہاری محبت جوش مار رہی تھی اور یہ خفگی صرف ظاہری ہے۔ اُمید ہے کل پرسوں تمہارے بلانے کو ان کا خط بھی آجائے گا۔ چنانچہ دوسرے ہی دن شاہ صاحب کا خط آیا۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۲۰)

غیب دان کی یہ شان قابل دیدنی ہے کل کی بھی خبر دے دی اور سینکڑوں میل کی مسافت سے دل کے مخفی حال کا بھی مشاہدہ فرمالیا نہ قرآن کی کوئی آیت اس دعوے پر اثر انداز ہوئی اور نہ عقیدۂ توحید کو کوئی ٹھیس پہنچی۔

دوسرا واقعہ

صوفی کرم حسین نام کے کوئی صاحب تھے جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی خانقاہ کے حاضر باش تھے ان کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ

صوفی کرم حسین صاحب ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد صحت ہوگئی۔ ان کے مکان سے طلبی کا خط پہنچا تو انہوں نے روانگی کا قصد کیا۔ حضرت سے رخصت ہونے لگے تو خلافِ عادت فرمانے لگے کرم حسین! کل کو مت جاؤ، تین روز کے بعد جانا ارادہ کا فسخ طبع کو گراں تو ہوا مگر ٹھہر گئے۔ اگلے روز دفعۃً تپ لرزہ آیا وہ بھی اس شدت کے ساتھ کہ عشاء کے وقت تک اُٹھ ہی نہ سکے اس وقت خیال ہوا کہ آج راستہ میں ہوتا تو کیا مزہ آتا۔ (تذکرہ، ج ۲ ص ۲۲۶)

یعنی گنگوہ صاحب کو معلوم تھا کہ کل بخار آئے گا۔

تیسرا واقعہ

تذکرۃ الرشید کے مصنف نے مولوی محمد یٰسین نام کے ایک شخص کے متعلق جو مدرسہ دیوبند میں مدرس تھے لکھا ہے کہ وہ ایک بار گنگوہ حاضر ہوئے انہیں دیوبند واپس جانا تھا۔ واپسی کی اجازت طلب کرنے کیلئے جب وہ دوپہر کے وقت مولوی رشید احمد کے پاس گئے اور ان سے اجازت نہیں ملی جب کوئی عذر کارگر نہ ہوا تو اخیر میں انہوں نے کہا:

کل کو بندہ کا مدرسہ میں حاضر ہوجانا ضروری ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مدرسے کے حرج کا تو مجھے بھی بہت خیال ہے لیکن تمہاری تکلیف کی وجہ سے کہتا ہوں کہ ناحق راستے میں مارے مارے پھروگے، سخت تکلیف اٹھاؤگے۔ باوجود حضرت کے بار بار اس فرمانے کے ہمیں مطلق خیال نہ ہوا کہ 'شیخ ہرچہ گوید دیدہ گوید' (یعنی شیخ جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے) اپنی ہی کہے گئے۔

(تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۱۴۲)

اس کے بعد انہوں نے اپنی روانگی اور راستے کی پریشانیوں اور رات بھر مارے مارے پھرنے کی تفصیل بیان کی۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ 'شیخ ہرچہ گوید دیدہ گوید' کا جو عقیدہ دیوبندی حضرات اپنے بزرگوں کیلئے روا رکھتے ہیں وہی سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں شرکِ عظیم سمجھتے ہیں۔

چوتھا واقعہ

ارواح ثلاثہ نامی کتاب کے واقعات کا ایک راوی امیر شاہ خان نے گنگوہی صاحب کے سفر حج کا ذکر کیا ہے...... لکھتے ہیں کہ

ان کا جہاز جب جدہ پہنچا تو وہاں کے افسروں نے انہیں اترنے کی اجازت نہیں دی تو قرنطینہ کیلئے انہیں کامران واپس جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان ہی کی زبانی پورا واقعہ سنئے لکھا ہے کہ

تھوڑی دیر میں ایک عرب صاحب تشریف لائے او انہوں نے کہا گودی کے افسر رشوت خور ہیں اور وہ کچھ لینے کیلئے یہ حجت کر رہے ہیں تم جلدی کچھ چندہ کر دو میں انہیں دلا کر راضی کر لوں گا۔

جب یہ خبر مولانا (گنگوہی) کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کہ کوئی اسے کچھ نہ دے گا ہم کو کامران واپس نہیں ہونا پڑے گا ہم یہیں اتریں گے چنانچہ دوسرے روز یہ حکم ہو گیا کہ حاجیوں کو اتر جانا چاہیئے۔ (ارواح ثلثہ، ص ۲۸۶)

کئی صفحوں پر پھیلا ہوا آپ گنگوہی صاحب کی زبان سے کل کی خبروں کا سلسلہ پڑھ چکے ہیں ان کے متعلق اس غیبی علم کے مظاہرے پر آج تک کوئی معترض نہ ہوا کہ غیر اللہ کے حق میں اس قسم کا اعتقاد قرآن کے خلاف ہے لیکن برا ہو تنگی دل کا کہ یہی کل کے علم وخبر کا سوال جب محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے پیدا ہوتا ہے تو ہر دیوبندی فاضل کی زبان پر قرآن کی یہ آیت ہوتی ہے:

وما تدری نفس ماذا تکسب غدا ط

کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

اس کتاب کا دوسرا باب جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے واقعات وحالات پر مشتمل تھا یہاں پہنچ کر تمام ہو گیا۔

جس تصویر کا پہلا رخ کتاب کے ابتدائی حصے میں آپ کی نظر سے گزر چکا ہے یہ اس کا دوسرا رخ تھا۔ اب چند لمحے کی فرصت نکال کر ذرا دونوں رخوں کا موازنہ کیجئے اور انصاف و دیانت کے ساتھ فیصلہ دیجئے کہ تصویر کے پہلے رخ میں جن عقائد و مسائل کو ان حضرات نے شرک قرار دیا تھا جب ان ہی عقائد و مسائل کو انہوں نے اپنے حق میں قبول کر لیا تو اب کس منہ سے وہ اپنے آپ کو موحد اور دوسروں کو مشرک قرار دیتے ہیں۔

اس باب میں جناب مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق دیوبندی لٹریچر سے ایسے واقعات و حقائق پیش کیے گئے جن میں عقیدہ توحید سے تصادم اپنے مذہب سے انحراف اور منہ بولے شرک کو اپنے حق میں اسلام وایمان مان لینے کی عبرت انگیز مثالیں ورق ورق پر بکھری ہوئی ہیں۔

انہیں چشم حیرت سے پڑھئے اور وفا آشنا ضمیر کا فیصلہ سننے کیلئے گوش بر آواز رہئے۔

سلسلہ واقعات

تھانوی صاحب کے خلیفہ خاص مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنی کتاب 'حکیم الامت' میں ان کی ایک مجلس کا حال لکھتے ہوئے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ دیوبندی مذہب کی طرف سے حسن ظن رکھنے والوں کو چونکا دینے کیلئے کافی ہے لکھتے ہیں کہ

بعض بزرگوں کے حالات حضرت نے اپنی زبان سے اس طرح ارشاد فرمائے کہ گویا 'درحدیث دیگراں' بعینہ ہم لوگوں کے جذبات وخیالات کی ترجمانی ہو رہی ہے۔ دل نے کہا کہ دیکھو روشن ضمیر ہیں۔ سارے ہمارے مخفیات ان پر آئینہ ہوتے جا رہے ہیں۔ صاحب کشف وکرامات ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔

(چند سطروں کے بعد) خیر اس وقت تو گہرا اثر اس غیب دانی اور کشف صدر لے کر اٹھا۔ مجلس برخاست ہوئی۔ (حکیم الامت، ص۴۴)

اخیر کا یہ جملہ دوبارہ پڑھئے۔ یہاں بات ایک کھل کر سامنے آگئی ہے مجاز واستعارہ کے ابہام سے ہٹ کر بالکل صراحت کے ساتھ تھانوی صاحب کے حق میں غیب دانی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ یہی وہ لفظ ہے جس پر پچاس برس سے یہ حضرات جنگ کرتے آرہے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر قطعاً کفر اور شرک ہے جیسا کہ دیوبندی جماعت کے مستند مولوی عبدالشکور صاحب کاکوروی' اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ہم نہیں کہتے کہ حضور جانتے تھے یا غیب دان تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضور کو غیب کی باتوں پر اطلاع دی گئی فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق اسی غیب دانی پر کرتے ہیں نہ کہ اطلاع یابی پر۔ (فتح حقانی، ص۲۵)

دیکھ رہے ہیں آپ! ان حضرات کے تئیں فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق جس غیب دانی پر کرتے ہیں وہ اقراری کفر اپنے تھانوی صاحب کے حق میں کتنی بشاشت کے ساتھ قبول کر لیا گیا ہے تھانوی صاحب کی غیب دانی کے سوال پر نہ اسلام کی کوئی دیوار منہدم ہوئی ہے اور نہ قرآن کے ساتھ کسی طرح کا تصادم لازم آیا ہے۔

اب یہیں سے سمجھ لیجئے کہ ان حضرات کی کتابوں میں کفر اور شرک کے جو مباحث سینکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اس کے پیچھے اصل مدعا کیا ہے؟ توحید پرستی کا جذبہ اگر خلوص پر مبنی ہوتا تو کفر و شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کی یہ تفریق ہرگز روا نہ رکھی جاتی۔

بیک وقت متعدد مقامات پر تھانوی صاحب کی موجودگی کا ایک حیرت انگیز واقعہ

خواجہ عزیز الحسن صاحب نے اشرف السوانح کے نام سے تین جلدوں میں تھانوی صاحب کی سوانح حیات لکھی ہے جو خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر سے شائع کی گئی ہے انہوں نے اپنی کتاب میں تھانوی صاحب کا ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کیا ہے...... لکھتے ہیں کہ

عرصہ دراز ہوا ایک صاحب نے خود احقر سے یہیں خانقاہ میں بایں عنوان اپنا واقعہ بیان کیا کہ گو دیکھنے میں تو حضرت والا یہاں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن کیا خبر اس وقت کہاں پر ہوں کیونکہ میں ایک بار خود حضرت والا کو باوجود کہ تھانہ بھون میں ہونے کے علی گڑھ دیکھ چکا ہوں جبکہ وہاں نمائش تھی اور اس کے اندر سخت آگ لگی ہوئی تھی۔

میں بھی اس نمائش میں اپنی دکان لے گیا تھا جس روز آگ لگنے والی تھی اس روز خلاف معمول عصر ہی کے وقت سے میرے قلب کے اندر ایک وحشت سی پیدا ہونے لگی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ باوجود اس کے اصل بکری کا وقت وہی تھا لیکن میں نے اپنی دکان کا سارا اساز وسامان قبل از وقت ہی سمیٹ کر بکسوں میں بھرنا شروع کر دیا جب بعد مغرب آگ لگنے کا غل شور ہوا تو چونکہ میں اکیلا ہی تھا اور بکس بھی بھاری تھے، اس لئے میں سخت پریشان ہوا کہ یا اللہ! دکان سے باہر کیونکر لے جاؤں۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دفعۃً حضرت والا نمودار ہوئے اور بکسوں میں سے ایک ایک بکس کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا کہ جلدی سے اٹھاؤ۔ چنانچہ ایک طرف سے تو اس بکس کو خود اٹھایا اور دوسری طرف سے میں نے اٹھایا۔ اسی طرح تھوڑی دیر میں ایک ایک کر کے سارے بکس باہر رکھوا دیے۔ اس آگ سے اور دکانداروں کا تو بہت نقصان ہوا، لیکن بفضلہ تعالیٰ میرا سب سامان بچ گیا۔

اس واقعہ کو سن کر احقر (یعنی مصنف کتاب) نے ان سے پوچھا کہ آپ نے حضرت والا سے یہ نہ دریافت کیا آپ یہاں کہاں؟ اس پر انہوں نے کہا اجی پوچھنے گچھنے کا مجھ کو اس وقت ہوش ہی کہاں تھا، میں تو اپنی پریشانی میں مبتلا تھا۔ (اشرف السوانح، ج ۳ ص ۱۷۱)

حیران وششدر نہ رہ گئے ہوں تو یہ قصہ ایک بار اور پڑھ لیجئے۔ شخص واحد کے متعدد جگہ ہونے کا ذکر یہاں بالکل صراحت کیساتھ کہیں بھی استعارات وکنایات کا کوئی ابہام نہیں ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں پھر جی چاہتا ہے کہ محافل میلاد میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے امکان پر تھانوی صاحب کا یہ سوال دہرا دوں:۔

اگر ایک وقت میں کئی جگہ محفل میلاد منعقد ہو تو سب جگہ آپ تشریف لے جاویں گے یا نہیں؟ یہ ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جاویں کہیں نہ جاویں اور اگر سب جگہ جاویں تو وجود آپ کا واحد ہے، ہزار جگہ کس طور پر جاسکتے ہیں۔ (فتاویٰ امدادیہ، ج ۴ ص ۵۸)

کس طور جاسکتے ہیں؟ اب اس کا جواب دینے کی ضرورت باقی نہیں ہے ویسے ہم اس بات کے مدعی بھی نہیں کہ وہ ہر محفل میں تشریف لے جاتے ہیں البتہ کوئی بھی غیر جانبدار شخص تھانوی صاحب کے اس واقعہ کے ضمن میں ان سوالات کا سامنا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو اچانک ذہن کی سطح پر اُبھر آتے ہیں:۔

پہلا سوال تو یہی حضرات کے یہاں صحت وغلط کے جانچنے کا پیمانہ الگ الگ کیوں ہے؟ بات اگر غلط ہے تو ہر جگہ غلط ہونی چاہئے اور اگر صحیح ہے تو دوسروں کے حق میں بھی اس کی صحت کیوں نہیں تسلیم کی جاتی ایسا کیوں ہے کہ ایک ہی بات رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں تو کفر ہے، شرک ہے، ناممکن ہے لیکن اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام ہے، ایمان ہے اور امر واقعہ ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے تھانہ بھون میں موجود رہ کر علی گڑھ میں پیش آنے والے حادثے کو قبل از وقت معلوم کر لینا' کیا غیبی ادراک کی بھی قوت نہیں جس کا پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں دیوبندی حضرات مسلسل انکار کرتے چلے آرہے ہیں اور اسی انکار کی بنیاد پر وہ اپنی جماعت کو 'موحدین' کی جماعت کہتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچ کر کسی مصیبت زدہ کی مدد کرنا کیا دیوبندی مذہب کی زبان میں یہ خدائی اختیارات کی چیز نہیں ہے؟

اور پھر جس قدرت واختیار اور علم وانکشاف کا وہ سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کے حق میں شدت سے انکار کرتے آئے ہیں تعجب ہے کہ اس کو اپنے حق میں ثابت کرتے ہوئے انہیں ذرّہ بھی عقیدہ توحید کے تقاضوں سے انحراف نظر نہیں آیا۔

ان سوالات کے جوابات کیلئے میں آپ ہی کے ضمیر کا انصاف چاہوں گا۔

ایک اور عبرت انگیز کہانی

توحید پرستی کے غرور میں خوش عقیدہ مسلمانوں کو بے دریغ مشرک، بدعتی اور قبر پرست کہنے والوں کی ایک اور عبرت خیز کہانی سنئے۔

انہی مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا نگار اشرف السوانح میں تھانوی صاحب کے پردادا محمد فرید صاحب کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

کسی بارات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آکر بارات پر حملہ کیا ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے انہوں نے ڈاکوؤں پر دلیرانہ تیر برسانا شروع کئے چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر سے بے سر و سامانی تھی یہ مقابلے میں شہید ہوگئے۔ (اشرف السوانح، ج ا ص ۱۲)

اس کے بعد کا قصہ چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے..... لکھا ہے کہ شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا اگر تم کسی سے ظاہر نہ کروگی تو اس طرح سے روز آیا کریں گے۔ لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں گے اس لئے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔ (اشرف السوانح، ج ا ص ۱۲)

اللہ اکبر! ہم اگر مرسلین وانبیاء وشہدائے مقربین اور اولیائے کاملین کی صرف روحوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھ لیں کہ خدائے قدیر نے انہیں عالم برزخ میں زندوں کی طرح حیات اور تصرف کی قدرت بخشی ہے تو بدعت وشرک، مردہ پرستی اور جاہلیت کے طعنوں سے ہمارا جینا دوبھر کر دیا جاتا ہے، دارالافتاء بادل کی طرف گرجنے اور برسنے لگتے ہیں۔

لیکن تھانوی صاحب کے 'جد مقتول' کے متعلق اس واقعہ کی اشاعت پر کہ وہ زندوں کی طرح پلٹ کر واپس آئے۔ دو بدو باتیں کیں، مٹھائی پیش کی اور اسی شان سے ہر روز آنے کا مشروط وعدہ کیا اور جب شرط کی خلاف ورزی کی گئی تو آنا بند کر دیا۔ ان تمام باتوں پر بھی گریباں نہیں تھامت، کوئی بھی ان چیزوں کو شرک نہیں ٹھہراتا۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ ان کی لحد میں مٹھائی کی دکان کس نے کھولی اور قرآن وحدیث میں اس طرح اختیارات کی دلیل کہاں سے ہے۔ نیز یہ بات ان تک کیسے پہنچی کہ ان کی گھر والی نے ان کے آنے کا راز فاش کر دیا اور انہوں نے آنا بند کر دیا۔

ہے کوئی دیانت وانصاف کا حامی جو دیوبندی علماء سے جا کر پوچھے کہ جو عقیدہ رسول و نبی، غوث وخواجہ اور مخدوم وقطب کی بابت شرک ہے وہی تھانوی صاحب کے پردادا کی بابت کیونکر ایمان واسلام بن گیا۔ آنکھوں میں دھول جھونک کر توحید پرستی کا یہ سوانگ آخر کب تک رچایا جائے گا؟

ایک اور ایمان شکن واقعہ

اب لگے ہاتھوں اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے جس کے راوی بھی مولوی اشرف علی تھانوی ہیں......
موصوف بیان کرتے ہیں کہ مولانا اسماعیل دہلوی کے قافلے میں ایک شخص شہید ہوگئے، جن کا نام بیدار بخت تھا۔
یہ مجاہد دیوبند کے رہنے والے تھے، ان کی شہادت کی خبر آچکی ہے ان کے والد حشمت علی خان صاحب حسبِ معمول دیوبند میں اپنے گھر میں ایک رات تہجد کی نماز کیلئے اُٹھے تو گھر کے باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ ان کے بیٹے بیدار بخت ہیں، بہت حیرانگی بڑھی کہ یہ تو بالاکوٹ میں شہید ہوگئے تھے، یہاں کیسے آگئے؟

بیدار بخت نے کہا جلدی کوئی دری وغیرہ بچھایئے حضرت مولانا اسماعیل صاحب اور سید (احمد) صاحب یہاں تشریف لا رہے ہیں۔
حشمت خان نے فوراً ایک بڑی چٹائی بچھادی اتنے میں سید صاحب اور مولانا شہید اور چند دوسرے رفقاء بھی آگئے۔
حشمت خان صاحب نے محبت پدری کی وجہ سے سوال کیا تمہارے کہاں تلوار لگی تھی؟ بیدار بخت نے سر سے اپنا ڈھاٹا کھولا اور اپنا نصف چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنے باپ کو دکھایا کہ یہاں تلوار لگی تھی۔ حشمت خان نے کہا یہ ڈھاٹا پھر سے باندھ لو مجھ سے یہ نظارا نہیں دیکھا جاتا۔ تھوڑی دیر بعد یہ تمام حضرات واپس تشریف لے گئے۔

صبح کو حشمت خان کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں خواب تو نہیں تھا مگر چٹائی کو جو غور سے دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے اس کے والد نے دیکھے تھے، ان قطروں کو دیکھ کر حشمت خان سمجھ گئے کہ یہ بیداری کا واقعہ ہے، خواب نہیں۔

اخیر میں چند راویوں کے نام گنا کر فرماتے ہیں کہ اس حکایت کے اور بھی بہت معتبر راوی ہیں۔ (ملفوظات مولانا اشرف علی تھانوی، ص ۲۰۹۔ مطبوعہ پاکستان بحوالہ ہفت روزہ چٹان۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۲ء)

اس عجیب وغریب واقعہ پر کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے یہ بتا دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ دیوبند کے یہ شہید اعظم جنہوں نے کرشمہ سازی میں دنیا کے تمام شہیدوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہے کس طرح کی جنگ میں قتل کیے گئے وہ کوئی جہاد فی سبیل اللہ تھا یا جنگِ آزادی تھی۔ شیخ کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا ہو کہ یہ بحث بھی شیخ دیوبند جناب مولوی حسین احمد صاحب نے طے کر دی ہے جیسا کہ اپنی خود نوشت سوانح حیات کی دوسری جلد میں تحریر فرماتے ہیں کہ

سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے آپ کو غرض نہیں جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔ (نقش حیات، ج۲ ص۱۳)

آپ ہی انصاف سے بتایئے کہ مذکورہ بالا حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضا کاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنے کیلئے اُٹھا تھا۔

ویسے جہاں تک شہیدوں کی حیات اور ان کے روحانی سطوت کا تعلق ہے تو اس پر قرآن کی بے شمار آیتیں شاہد ہیں لیکن یہ سارے فضائل ان مجاہدین کے حق میں ہیں جو خدا کی زمین پر خدا کے دین کی بادشاہت اور اسلام کا سیاسی اقتدار قائم کرنے کیلئے اپنا خون بہاتے ہیں۔ لادینی حکومت اور 'ملی جلی سرکار' بنانے کیلئے جو فوج اکٹھی کی جائے نہ وہ مجاہدین اسلام کی فوج کہلا سکتی ہے اور نہ اس فوج کے مقتول سپاہی کو 'اسلامی شہید' قرار دیا جا سکتا ہے۔

لیکن شخصیت پرستی کی یہ ستم ظریفی دیکھئے کہ اس قصے میں جنگ آزادی کے ایک سپاہی مقتول کو بدر واُحد کے شہیدوں سے بھی آگے بڑھا دیا گیا کیونکہ اسلام کے سارے شہیدوں پر انہیں برتری حاصل ہونے کے باوجود ان کے متعلق ابھی ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ وہ اپنا کٹا ہوا سر لے کر زندوں کی طرح اپنے گھر آئے ہوں اور گھر والوں سے بالمشافہ بات چیت کی ہو۔

دیوبندی ذہن کی یہ بوالعجبی بھی قابل دید ہے کہ قدرت واختیار کی جو بات وہ اپنے ایک سیاسی مقتول کیلئے بے چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں اسی کو ہم اگر حسنین وکربلا کے شہیدوں کیلئے مان لیں تو ہمیں مشرک ٹھہرایا جاتا ہے اور ان کے عقیدۂ توحید کی اجارہ داری میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

خودبینی کی ایک شرمناک کہانی

اب ایک اور دلچسپ واقعہ سنئے...... اسی اشرف السوانح کے مصنف تھانوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ

حضرت والا اپنی ایک مریدنی کا واقعہ بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اس نے سکرات کے عالم میں میرا نام لیکر کہا کہ وہ اونٹنی لے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر بیٹھ کر چل! پھر اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ (اشرف السوانح، ج ۳ ص ۸۶)

اپنی غیب دانی اور قوتِ تصرف کی یہ خاموش تبلیغ ذرا ملاحظہ فرمایئے۔ کوئی دوسرا نہیں' خود اپنے متعلق آپ ہی بیان فرمارہے ہیں۔

کوئی بیگانہ سنے تو البتہ اس واقعہ کی صحت پر شک کرسکتا ہے لیکن مرید و معتقدین کس قلب و گوش کے ہوتے ہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں پیر صاحب انکار بھی کردیں تو وہ اسے تواضع پر محمول کریں گے۔

تھانوی صاحب اس واقعہ کے اظہار سے اپنے حلقہ بگوشوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انہیں اپنی مریدنی کو موت کا وقت معلوم ہوگیا تھا اور وہ اسے لینے کیلئے اونٹ کی سواری لے کر اس کے پاس پہنچ گئے۔

اس واقعہ سے جہاں ان کی غیب دانی پر روشنی پڑتی ہے وہیں ان کی قوت تصرف بھی پورے طور پر نمایاں ہوجاتی ہے کہ اپنے وجود کو متعدد جگہ پہنچا دینا کسی کیلئے ناممکن ہو تو ہو لیکن ان کیلئے امر واقعہ ہے۔

ایک اور لطیفہ

اس واقعہ کے بیان سے کتاب کے مصنف نے اپنا یہ مدعا ظاہر کیا ہے کہ وجود انسانی کے ہر مرحلے میں تھانوی صاحب اپنے مریدین ومتوسلین کیلئے کارساز ونجات دہندہ ہے۔ چنانچہ اس مدعا کو ثابت کرنے کیلئے صاحبِ کتاب نے متعدد واقعات نقل کئے ہیں نمونے کے طور پر کتاب کے چند اقتباسات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے...... لکھتے ہیں کہ

حضرت والا کے متوسلین کے حسن خاتمہ کے بکثرت واقعات ہیں جن سے مقبولیت و برکت کا سلسلہ ظاہر ہوتا ہے چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت حاجی (یعنی تھانوی صاحب کے پیر) کے سلسلے کی یہ برکت ہے کہ جو بلا واسطہ یا بالواسطہ حضرت سے بیعت ہوا اس کا بفضلہٖ تعالیٰ خاتمہ بہت اچھا ہوا ہے یہاں تک کہ بعض متوسلین گو مرید ہونے کے بعد دنیادار ہی رہے مگر ان کا بھی خاتمہ بفضلہٖ تعالیٰ اولیاء اللہ کا سا ہوا۔ (اشرف السوانح، ج ۳ ص ۸۶)

یہاں یہ بات سوچنے کی ہے کہ اولیاء اللہ کی طرح خاتمہ کیلئے اب عبادت وتقویٰ اور اعمال صالحہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے تھانوی صاحب کے ہاتھ پر صرف مرید ہو جانا اس بات کی ضمانت ہے کہ اولیاء اللہ کا سا انجام اس کے حق میں مقدر ہو گیا۔

اس سے بھی زیادہ ایک عبرت انگیز قصہ سنئے...... کتاب کے مصنف لکھتے ہیں کہ

احقر کے ایک بہنوئی تھے جو عرصہ دراز ہوا حضرت والا سے کانپور جا کر مرید ہو آئے تھے جبکہ اتفاقاً حضرت والا وہاں تشریف لائے ہوئے تھے، بعد انتقال ایک صالحہ بی بی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ کہہ رہے ہیں کہ بہت ہی اچھا ہوا جو میں پہلے سے حضرت مولانا سے کانپور جا کر مرید ہو آیا میں یہاں بڑے آرام سے ہوں۔ (اشرف السوانح، ج ۳ ص ۸۶)

ملاحظہ فرمائیے! صرف ہاتھ تھام لینے کی یہ برکت ظاہر ہوئی کہ عالم آخرت کا سارا معاملہ دُرست ہو گیا۔ اس عالم کے کسی نو وارد کا کہنا کہ 'بہت اچھا ہوا جو بعد میں حضرت مولانا سے مرید ہو گیا' بلا وجہ نہیں ہے یقیناً اس نے وہاں اپنے پیر کی نسبت غلامی کا کوئی اعزاز ضرور دیکھا ہوگا۔ اب ایک طرف دربارِ خداوندی میں تھانوی صاحب کے اثر ورسوخ کی یہ شان دیکھئے کہ ان کا ایک ادنیٰ مرید بھی ان کی نسبت غلامی کے اعزاز سے محروم نہیں رہتا اور دوسری طرف محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ان حضرات کے دلوں کا بخل ملاحظہ فرمائیے...... آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپک پڑے گی۔

انہوں نے اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار کی ہو اور اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا دُرست کرلے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرے۔ (تقویۃ الایمان ملخصاً ص ۳۸)

نیاز مندوں میں اشرف علی کی غیب دانی کے عقیدے کا چرچا

تھانوی صاحب کی غیب دانی سے متعلق ان کے حاشیہ نشینوں اور مریدوں کا ذہن بھی پڑھنے کی چیز ہے اس سے اس ماحول کا اندازہ ہوگا جس پر کسی بھی مذہبی پیشوا کے مزاج وخیالات کا عکس پڑتا ہے۔اشرف السوانح کا مصنف لکھتا ہے کہ

اس امر کی تصدیق بارہا لوگوں سے سننے میں آئی اور خود بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ جو بات دل میں لیکر آئے یا جو اشکال قلب میں پیدا ہوا قبل اظہار ہی اس کا جواب حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے ہوگیا یا باطنی پریشانی کی حالت میں حاضر ہوئے تو خطاب خاص یا خطاب عام میں کوئی بات ایسی فرمادی جس سے تسلی ہوگئی۔ (اشرف السوانح، ج۳ص۵۹)

اب اسی کے ساتھ لگے ہاتھوں تھانوی صاحب کی غیب دانی کے متعلق اُن کے ایک حلقہ بگوش کا جذبۂ یقین اور تھانوی صاحب کا دلچسپ جواب ملاحظہ فرمایئے......لکھتے ہیں کہ

ایک مشہور فاضل نے جزماً اپنا یہی اعتقاد (کہ آپ غیب دان ہیں) تحریر فرما کر بھیجا تو حضرت والا نے ان کے خیال کی نفی فرمائی اور جب پھر بھی انہوں نے نہ مانا تو اس نفی کو تواضع پر محمول کیا تو حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ وہ تاجر بڑا خوش قسمت ہے جو اپنے سودے کا ناقص ہونا ظاہر کررہا ہے لیکن خریدار پھر بھی یہی کہہ رہا ہے کہ نہیں یہ ناقص نہیں ہے بہت قیمتی ہے۔ (ایضاً)

اب بتایئے کون بدبخت مرید ہے جو اپنے پیر کو خوش قسمت دیکھنا نہیں چاہتا۔اس جواب میں اتنی غیب دانی کا اعتقاد رکھنے والوں کیلئے خاموش حوصلہ افزائی کا جو جذبہ کارفرما ہے وہ اتنا نمایاں ہے کہ اس پر کوئی پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔تھانوی صاحب کے بارے میں غیب دانی کا عقیدہ اگر شرک تھا تو یہاں فتوے کی زبان کیوں نہیں استعمال کی گئی؟

اور سب سے سنگین الزام تو یہ ہے کہ تھانوی صاحب کے انکار کو تو تواضع پر محمول کرلیا گیا اور انہوں نے دبی زبان میں خود اس کی توثیق بھی فرمادی لیکن یہ کیسا اندھیرا ہے کہ بعض چیزوں کے علم وخبر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انکار کو ہزار فہمائش کے باوجود تواضع پر محمول نہیں کیا جاتا بلکہ نصف صدی سے یہی اصرار کیا جارہا ہے کہ معاذ اللہ حقیقتاً وہ مخفیات کے علم وخبر سے عاری تھے۔

اب اس مقدمے کا فیصلہ بھی آپ ہی کے جذبۂ انصاف پر چھوڑتا ہوں۔

ایک اور ایمان شکن کہانی

اشرف السوانح کے مصنف تھانوی صاحب کے متعلق قبل ولادت کی ایک پیشین گوئی نقل کی ہے عبارت کا یہ ٹکڑا پڑھنے کے قابل ہے۔

نام نامی اشرف علی ہے۔ یہ نام حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی جو اس زمانہ کے مقبول عام اور مشہور نام اہل خدمت مجذوب تھے قبل ولادت حضرت والا بلکہ استقرار حمل ہی بطور پیشین گوئی تجویز فرمادیا تھا۔ (اشرف السوانح، ج ا ص ۷)

تھانوی صاحب نے مقدمہ 'حسام عبرت' کے نام سے خود بھی اپنا ایک 'میلادنامہ' مرتب کیا ہے جس میں انہوں نے اپنی ولادت سے قبل ہی تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ اپنی نانی کے متعلق انہوں نے نہایت دلچسپ روایت بیان کی ہے جو پڑھنے کے قابل ہے...... لکھتے ہیں۔

انہوں نے حضرت حافظ غلام مرتضیٰ مجذوب پانی پتی سے شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے۔ حافظ صاحب نے بطریق معما فرمایا کہ عمر و علی کی کشاکش میں مرجاتے ہیں اب کی بار علی کے سپرد کردینا زندہ رہے گا۔ (چند سطروں کے بعد) پھر فرمایا اس کے دو لڑکے ہوں گے اور زندہ رہیں گے۔ ایک کا نام اشرف علی خان رکھنا اور دوسرے کا نام اکبر علی خان۔ نام لیتے وقت خان اپنی طرف سے جوش میں آکر بڑھا دیا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا وہ پٹھان ہوں گے؟ فرمایا نہیں اشرف علی اور اکبر علی رکھنا۔

یہ بھی فرمایا کہ ایک میرا وہ ہوگا مولوی ہوگا اور حافظ ہوگا اور دوسرا دنیا دار ہوگا۔ چنانچہ یہ سب پیشین گوئیاں حرف بہ حرف راست نکلیں۔ (اس کے بعد صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ)

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ جو میں کبھی اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگتا ہوں ان ہی مجذوب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا۔ (اشرف السوانح، ج ا ص ۱۷)

ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ وہ غیبی علم ہے جس کا دیوبندی حضرات کے تئیں غیر خدا کیلئے ماننا شرک ہے لیکن غضب دیکھئے کہ اپنے متعلق حمل ہی نہیں استقرار حمل سے بھی پہلے کا علم تسلیم کرلیا گیا اور صرف اپنا ہی نہیں ساتھ ساتھ بھائی کا بھی۔ اور وہ بھی اتنا واضح کہ نام تک تجویز فرمادیا۔ اور اوصاف واحوال کی بھی نشاندہی کردی۔

دیوبندی مذہب میں اسی قوت کا نام خدائی اختیار ہے لیکن عظمت شان کے اظہار کیلئے یہ خدائی قوت بھی غیر خدا میں بے چون وچرا تسلیم کرلی گئی اور عقیدۂ توحید پر ذرا آنچ تک نہ آئی۔

دیوبندی جماعت کے ایک شیخ مولوی شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے متعلق کتاب ارواح ثلاثہ میں تھانوی صاحب کا یہ منہ بولا بیان نقل کیا گیا ہے۔

فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کا قلب بڑا ہی نورانی تھا میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۰۱)

دین و دیانت کا خون اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ ایک اُمتی کا قلب تو اتنا نورانی ہو جائے کہ اعمال و جوارح کی معنوی کیفیات تک اس سے مخفی نہ رہ سکیں اور وہ چھپ کر کیے جانے والے عیوب تک سے باخبر ہو جائے۔

سچ پوچھئے تو دیوبندی حضرات کے ساتھ مذہبی اختلافات کا پوری سرگزشت میں سارا ماتم دل کی اس حرماں نصیبی کا ہے کہ اپنے بزرگوں کے حق میں یہ لوگ جتنا کشادہ دل واقع ہوئے ہیں اس کے سناوے حصے کے برابر بھی اگر مدنی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ان کے دل کا کوئی گوشہ نرم ہو جاتا تو مصالحت کی بہت سی راہیں نکل سکتی تھیں۔

اپنی جماعت کے دوسرے بزرگ کے حق میں اسی غیب دانی سے متعلق تھانوی صاحب کا ایک اور اعتراف ملاحظہ فرمایئے ان کے ملفوظات کا مرتب لکھتا ہے کہ

(ایک دن تھانوی صاحب نے) مولانا محمد یعقوب صاحب کی بابت فرمایا کہ انہوں نے خبر دے دی تھی اس وبا کی جس میں ان کے اعزہ نے وفات پائی تھی۔

پھر فرمایا کہ مولانا تھے بڑے صاحبِ کشف۔ رمضان ہی میں خبر دے دی تھی کہ ایک بلائے عظیم رمضان کے بعد آوے گی۔ ابھی آجاتی لیکن رمضان کی برکت سے رُکی ہوئی ہے۔

اگر یہ لوگ بچنا چاہیں تو ہر چیز میں صدقات دے دیں۔ (حسن العزیز، ج ا ص ۲۹۳)

کل کیا ہوگا اس کا تعلق بھی علم غیب سے ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ بات یہاں کل سے بھی آگے نکل گئی ہے اور علم بھی ہے تو صرف اتنا ہی نہیں کہ ایک بلا آنے والی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ابھی آجاتی مگر رمضان کی برکت سے رکی ہوئی ہے اور لوگ صدقہ دے دیں تو واپس بھی لوٹ جائے گی۔

اب ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کہ یہی عقیدہ اگر ہم کسی نبی یا ولی کے حق میں جائز تصور کر لیں تو ہمارا ایمان و اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے اور یہ اپنے سارے فیصلے کے حق میں ڈنکا پیٹ رہے ہیں تو یہاں سب خیریت ہے۔

چھوٹے میاں کا قصہ

اب تک قبیلے کے شیخ کا تذکرہ تھا۔اب چھوٹے میاں کا قصہ سنئے۔اشرف السوانح کے مصنف نے تھانوی صاحب کے خلیفہ مجاز حافظ عمر علی گڑھی کے غیبی انکشاف کے متعلق ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ بیان کیا ہے......لکھتے ہیں کہ

ایک بار حافظ صاحب رات کی ریل سے تھانہ بھول حاضر ہوئے تو جب ریل (تھانوی صاحب کی) خانقاہ کے محاذ سے گزری تو انہوں نے بیداری میں دیکھا کہ مسجد خانقاہ کے گنبد سے آسمان تک نور کا ایک تار لگا ہوا ہے۔ (اشرف السوانح، ج ۲ ص ۶)

ایک تیر میں دو نشانہ اس کو کہتے ہیں ایک طرف اپنی غیبی قوتِ انکشاف کا دعویٰ بھی ہے کہ نور کے اس سلسلے کا تعلق علم غیب ہی سے تھا اور دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ روئے زمین پر خانہ کعبہ اور گنبدِ خضریٰ کی طرح تھانوی صاحب کی مسجد و خانقاہ کا گنبد بھی غیبی انوار و تجلیات کے نزول اجلال کا مرکز ہے۔

اور جب خلیفہ مجاز کی غیبی قوت ادراک کا یہ حال ہے کہ ماتھے کی آنکھ سے عالم غیب کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو اسی سے حساب لگا لیجئے کہ شیخ کی قوتِ انکشاف کا کیا عالم ہوگا۔

چوتھا باب — شیخ دیو بند جناب مولوی حسین احمد صاحب (مدنی) کے بیان میں

اس باب میں شیخ دیو بند جناب مولوی حسین احمد صاحب کے متعلق دیو بندی لٹریچر سے وہ واقعات و حالات جمع کئے گئے ہیں جن میں عقیدۂ توحید سے تصادم، اپنے مذہب سے انحراف اور منہ بولے شرک کو اپنے حق میں اسلام و ایمان بنا لینے کی شرمناک مثالیں ورق ورق پر بکھری ہوئی ہیں۔

چشم انصاف کھول کر پڑھیے اور ضمیر کا فیصلہ سننے کیلئے گوش بر آواز رہئے۔

سلسلۂ واقعات — غیبی علم اور روحانی تصرف کی ایک حیرت انگیز کہانی

روزنامہ الجمعیۃ دہلی نے شیخ دیو بندی مولوی حسین احمد صاحب کے حالاتِ زندگی پر شیخ الاسلام کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جمعیۃ العلماء کا آرگن ہونے کی حیثیت سے اس اخبار کو اپنی جماعت میں جو حسن اعتماد حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

اسی شیخ الاسلام نمبر میں مولوی حسین احمد صاحب کے فرزند مولوی اسعد میاں کی روایت سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کرامات و مکاشفات کے عنوان کے ذیل میں انہوں نے لکھا ہے کہ

غزالی صاحب دہلوی نے مدینہ طیبہ میں مجھ سے بیان کیا کہ میں دہلی کے ایک سیاسی جلسہ میں شریک ہوا۔ حضرت والا بھی اسی میں شریک تھے وہاں میں نے دیکھا کہ عورتیں بھی اسٹیج پر بیٹھی ہوئی تھیں دل میں خیال گزرا وہ شخص کیا ولی ہو سکتا ہے جو ایسے مجمع عام میں جہاں عورتیں بھی موجود ہوں شرکت کرے یہ خیال آ کر حضرت سے اس درجہ نفرت پیدا ہوئی کہ میں جلسہ سے چلا آیا۔

اس ہی شب خواب میں دیکھا کہ حضرت نے مجھے سینے سے لگا لیا ہے چنانچہ اس ہی وقت میرا قلب ذاکر ہو گیا اور وہ نفرت عقیدت سے بدل گئی۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۲)

ذرا اس واقعہ میں عجائبات کی فراوانی ملاحظہ کیجئے۔ یہ کتنی بڑی غیب دانی ہے کہ مجلس سے روٹھ کر چلے جانے والے اجنبی شخص کے دل کا حال معلوم کیا اور صرف معلوم ہی نہیں کیا بلکہ ایک پیکر لطیف میں اپنے آپ کو منتقل کر کے خواب میں تشریف لے آئے اور ایک ہی نشانے میں یہ دوسرا تصرف ملاحظہ فرمایئے کہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہیں اچانک نفرت بھی عقیدت سے بدل گئی اور تیسرا تماشا یہ کہ اسی وقت سے سونے والے کے لطائف بھی جاگ گئے۔

یہ ساری باتیں وہ ہیں کہ اگر ہم کسی نبی یا ولی کے حق میں اسطرح کا عقیدہ ظاہر کر دیں تو الزامات کے بوجھ سے گردن ٹوٹ جائے۔

لیکن اپنے شیخ کا مرتبہ دوبالا کرنے کیلئے ایمان کا خون کر دیا جائے تو یہاں سب روا ہے۔

اپنی وفات کا علم

مولوی ریاض احمد فیض آبادی صدر جمعیۃ علمائے میوات اسی شیخ الاسلام نمبر میں مولوی حسین احمد صاحب کیساتھ اپنی آخری ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ دم رخصت موصوف کی گفتگو خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔

میں نے کہا کہ حضرت ان شاء اللہ اختتامِ سال پر ضرور حاضر ہوں گا فرمایا کہہ دیا کہ ملاقات نہیں ہوگی اب تو میدانِ آخرت ہی میں ان شاء اللہ ملو گے۔ مجمع میرے قریب جو تھا احقر کی معیت میں آبدیدہ ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا کہ رونے کی کیا بات ہے؟ کیا مجھے موت نہ آئے گی۔ اس پر احقر نے الحاج کے ساتھ کچھ علم غیب اور زیادتی عمر پر بات کرنی چاہی مگر فرطِ غم کے باعث بول نہ سکا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۵۶)

اس گفتگو کا حاصل سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مولوی حسین احمد صاحب کو کئی ماہ پیشتر اپنی موت کا علم ہوگیا تھا اور کہہ دیا کہ 'ملاقات نہیں ہوگی' یہ لب ولہجہ شک اور تذبذب کا نہیں' یقین واذعان کا ہے 'مجمع آبدیدہ ہوگیا' یہ جملہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کو سچ مچ اس خبر کا یقین ہوگیا۔

اس واقعہ میں جو چیز خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ موت کا علم یقینی امورِ غیب ہی سے تعلق رکھتا ہے لیکن قرآن کی کوئی آیت اور حدیث کی کوئی روایت نہ مولوی حسین احمد صاحب کو علم سے خاموش ادعا سے روک سکتی ہے اور نہ ہی اس خبر پر ایمان لانے والوں کی راہ میں وہ حائل ہوئی اور اب اس کی اسی طرح تشہیر کی جا رہی ہے جیسے یہ دنیا کوئی مسلمہ حقیقت بن گئی ہو۔

اس علم کا ایک قصہ کہ بارش کب ہوگی

مولوی جمیل الرحمٰن سیوہاروی مفتی دارالعلوم دیوبند نے اسی شیخ الاسلام نمبر سپور ضلع بجنور کے ایک جلسے کا ذکر کیا ہے جو کانگریس کی طرف سے منعقد کیا تھا اور جس میں مولوی حسین احمد صاحب بھی شریک تھے۔

انہوں نے لکھا ہے عین وقت جلسہ سے کچھ پہلے اچانک آسمان ابر آلود ہوگیا، موسم کا رنگ دیکھ کر منتظمین جلسہ سراسیمہ ہوگئے۔ اب کے بعد کا قصہ خود واقعہ نگار کی زبانی سنئے۔ لکھا ہے کہ اس دوران میں جامع الروایات غفرلہ (یعنی واقعہ نگار) کو جلسہ گاہ میں ایک برہنہ سر مجذوبانہ ہیئت کے غیر متعارف شخص نے علیحدہ لے جا کر ان الفاظ میں ہدایت کی کہ مولوی حسین احمد سے کہہ دو کہ اس علاقے کا صاحب خدمت میں ہوں اگر وہ بارش ہٹوانا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہوگا۔

راقم الحروف اسی وقت خیمے میں پہنچا جس پر حضرت والا نے آہٹ پا کر وجہ معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سن کر ایک عجیب پُر جلال انداز میں بستر استراحت ہی پر سے ارشاد فرمایا، جایئے کہہ دیجئے' بارش نہیں ہوگی۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۴۷)

بستر استراحت ہی پر سے ارشاد فرمایا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ انہوں نے 'بارش نہیں ہوگی' کا حکم آسمان کا رنگ دیکھ کر نہیں دیا تھا بلکہ اس حکم کے پیچھے اس غیبی علم وادراک کا ادعا تھا جس کا تعلق امور غیب سے ہے یعنی علم غیب کے ذریعے انہوں نے آئندہ کا حال معلوم کر لیا تھا اور جزم ویقین کیساتھ کہہ دیا کہ باش نہیں ہوگی یا پھر اس واقعہ میں اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ عالم کے تکوینی اختیارات اس مجذوب کے ہاتھ میں نہیں بلکہ میرے ہاتھ میں ہیں بارش روکنا چاہتا ہوں تو بلا شرکت غیرے خود بھی اسکی قدرت رکھتا ہوں۔

بہر حال دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو مذہبی معتقدات سے انحراف کی بدترین مثال ہے جیسا کہ دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان میں ہے:۔

اسی طرح مینہ برسنے کے وقت کی آخر کسی کو نہیں حالانکہ اس کا موسم بھی بندھا ہوا ہے اور اکثر ان موسموں پر برستا بھی ہے اور سارے نبی اور ولی اور بادشاہ اور حکیم اس کی خواہش بھی رکھتے ہیں سو اگر اس کا وقت معلوم کرنے کی کوئی راہ ہوتی تو کوئی البتہ پالیتا۔ (تقویۃ الایمان، ص ۲۲)

اس مقام پر پھر آپ کے ایمان کی وہ رگ چھیڑنا چاہتا ہوں جہاں سے غیرت عشق کو زندگی ملتی ہے کہ حق کیساتھ انصاف کرنے میں کسی کی پاسداری نہ کیجئے گا۔ ایک طرف کاروبار عالم میں شیخ دیوبند کا کائنات گیر اقتدار دیکھئے اور دوسری طرف عالمین کے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان محبوبیت پر ان حضرات کے تیشۂ قلم کی ضرب ملاحظہ فرمایئے:۔

سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے، رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان، ص ۵۸)

مقدرت الٰہی میں اثر ورسوخ کا ایک عجیب واقعہ

اسی شیخ الاسلام نمبر میں مولوی اسعد میاں نے اپنے بزرگوار کے متعلق سابرمتی جیل کا ایک واقعہ نقل کیا ہے:۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ مولوی حسین احمد صاحب بھی اسی جیل میں نظر بند تھے انہوں نے لکھا ہے کہ اسی دوران جیل کے ایک قیدی کو پھانسی کی سزا ہوگئی۔ یہ حکم سن کر اس کا خون سوکھ گیا۔ منشی محمد حسین نامی کسی قیدی کے ذریعے اس نے مولوی حسین احمد صاحب سے دعا کی درخواست کرائی اب آگے کا قصہ واقعہ نگار کی زبانی سنئے..... لکھتا ہے کہ

منشی محمد حسین حضرت کے بہت سر ہوئے۔ فرمایا اچھا جا کر اس سے کہہ دو کہ وہ رہا ہوگیا۔ منشی محمد حسین صاحب نے اس قیدی سے جا کر کہہ دیا کہ باپو نے کہہ دیا ہے کہ تو رہا ہوگیا۔ دو ایک روز گزارنے کے بعد اس قیدی نے پھر بے چینی کا اظہار کیا کہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا اور میری پھانسی میں چند ہی روز رہ گئے ہیں۔ منشی محمد حسین نے پھر آکر عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے کہہ تو دیا کہ وہ رہا ہوگیا۔ اس کے بعد دو ایک یوم پھانسی کو رہ گئے تھے کہ اس کی رہائی کا حکم آگیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۲)

ایک اور حیرت انگیز تماشا

نگاہ پر بار نہ ہو تو ایک حیرت انگیز تماشا اور ملاحظہ فرمائیے:۔

مولوی احمد حسین لاہرپوری نام کے ایک شخص نے اس شیخ الاسلام نمبر میں ایک عجیب وغریب سرگزشت لکھی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی ایام میں میری اکثر نمازیں فوت ہوجایا کرتی تھیں خاص طور پر فجر اور ظہر کی نماز۔

لکھتے ہیں کہ پریشان ہو کر میں نے یہ شکایت حضرت شیخ کو لکھ کر بھیجی اس پر انہوں نے تنبیہ فرمائی اس کے بعد کا واقعہ خود موصوف کی زبانی سنئے..... بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد سے میری یہ کیفیت ہوگئی کہ بلا ناغہ فجر وظہر کی نماز کے وقت خواب میں حضرت کو غصے کی حالت میں دیکھا کرتا تھا فرماتے تھے کہ کیوں نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا۔

میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھتا تھا یہ کیفیت تقریباً ایک یا ڈیڑھ ماہ رہی جب اچھی طرح نماز کا پابند ہوگیا تو یہ کیفیت ختم ہوگئی۔ (ایضاً ۲۹)

سینکڑوں میل کی مسافت سے بالالتزام فجر اور ظہر کے وقت ہر روز کسی کو آکر اٹھا دینا جہاں باطنی تصرف کا بہت بڑا کمال ہے وہاں اس عظیم قوت انکشاف کا بھی حامل ہے کہ سینکڑوں میل کے فاصلے سے وہ ہر روز یہ بھی معلوم کرلیا کرتے تھے کہ فلاں شخص سورہا ہے اس نے اب تک نماز نہیں پڑھی اور پھر جب وہ نماز کا پابند ہوگیا تو انہیں اس کی بھی خبر ہوگئی اور انہوں نے خواب میں آنا چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ پڑھتے ہوئے ایک خالی الذہن آدمی بالکل ایسا محسوس کرتا ہے جیسے گھر کے اندر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں کسی سونے والے آدمی کو وہ نماز کے وقت آکر اٹھا دیا کرتے تھے۔

دل کے خطرے پر مطلع ہونے کا ایک عجیب قصہ

دہلی کے مولوی اخلاق حسین قاسمی اسی شیخ الاسلام نمبر میں بیان کرتے ہیں کہ حاجی محمد حسین گزک والے دہلی کی پنجابی برادری کے رئیس تھے وہ حافظ قرآن بھی تھے لیکن انہیں قرآن اچھا یاد نہیں تھا۔ ایک بار کسی موقع پر مولوی حسین احمد صاحب نے انہیں حافظ صاحب کہہ کر پکارا اب اس کے بعد کا واقعہ خود حاجی صاحب کی زبانی سنئے...... بیان کرتے ہیں کہ

حضرت کی زبان مبارک سے حافظ کا لفظ سن کر میں سناٹے میں آگیا دل میں شرمندہ ہوا اور خیال آیا مجھے قرآن کریم کچھ اچھا یاد نہیں ہے یہ حضرت نے کیا فرمایا۔ یہ خیال لیکر اندر جا کر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی حضرت نے فرمایا حافظ صاحب میرا ذہن بھی خراب ہے بھورے رنگ کی ایک خاص چڑیا ہوتی ہے وہ کھایا کیجئے، ذہن اچھا ہو جائے گا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۳)

اس واقعے کا سب سے عبرت ناک حصہ مولوی اخلاق حسین قاسمی کا وہ تاثر ہے جو انہوں نے اس واقعہ کی بابت ظاہر کیا ہے موصوف لکھتے ہیں:۔

راقم کہتا ہے حاجی صاحب کے دل میں جو خیال گزرا حضرت مدنی کی قوتِ ایمانی نے محسوس کر لیا اسے اصطلاح میں 'کشف قلوب' کہتے ہیں۔ (ص ۱۶۳)

یہ سوال دہرانے کیلئے ہمیں اس سے زیادہ اور کوئی موزوں جگہ نہیں مل سکی کہ دل کے چھپے ہوئے خطرے کو محسوس کرنے والی قوت ایمانی ان حضرات کے تئیں خود پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر موجود تھی یا نہیں؟ اگر موجود تھی تو عقیدے کی یہ زبان کس کے حق میں استعمال کی گئی ہے:۔

اس بات میں بھی ان کو کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ صاحب نے غیب دانی ان کے اختیار میں دے دی ہو کہ جس کے دل کے احوال جب چاہیں معلوم کر لیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۳)

اب ایمان و دیانت کے اس خون کا انصاف میں آپ ہی کے ضمیر پر چھوڑتا ہوں کہ دیوبندی مذہب کے مطابق جو قوتِ ایمانی خدا نے اپنے پیغمبر کو نہیں بخشی وہ دیوبند کے شیخ الاسلام کو کیونکر حاصل ہو گئی؟

غیبی قوتِ ادراک اور باطنی تصرف کا ایک ایمان شکن واقعہ

ایک غیبی قوت کا ایک نہایت سنسنی خیز واقعہ سنئے :۔

مولوی حسین احمد صاحب کے ایک مرید ڈاکٹر حافظ محمد زکریا نے اسی شیخ اسلام نمبر میں اپنی ایک آپ بیتی نقل کی ہے انہوں نے بتایا ہے کہ ان کے پیر بھائی سخت بیمار ہوئے ، حالت نہایت سنگین ہوگئی اب اس کے بعد کا واقعہ خود موصوف ہی کی زبانی سنئے کہتے ہیں کہ میں بحیثیت معالج بلایا گیا تو دیکھتا ہوں کہ جسم بالکل بے حس وحرکت ہے، آنکھیں پتھرا گئی ہیں، آثار مرگ بظاہر نمایاں ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں پریشان اور بے چین ہوگیا کہ ناگہاں مریض رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ اُٹھا کر کسی کو سلام کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ حضرت یہاں تشریف رکھئے۔ کچھ ہی دیر بعد اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے والد وغیرہ سے کہتا ہے کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے۔ جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت تو یہاں تشریف فرما نہیں تھے۔ وہ حیرت سے کہتا ہے کہ حضرت تو تشریف لائے تھے اور میرے چہرے اور بدن پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تھا کہ اچھے ہوجاؤ گے گھبراؤ نہیں (ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں) کہ ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ دیکھتا ہوں کہ بخار ایک دم غائب ہے اور وہ بالکل تندرست اچھا ہے۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۳)

اب اس کے بعد واقعات کے مرتب مولوی سلیمان اعظمی فاضل دیوبند کا یہ بیان خاص توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے :۔

جامع کہتا ہے کہ حضرت شیخ کی ادنیٰ کرامت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو اپنے خاص (مریدین) سے کیسا گہرا تعلق ہوتا تھا۔ (ص ۱۶۳)

کیا سمجھے آپ! دراصل حضرت شیخ کی ادنیٰ کرامت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ 'حضرت شیخ' کی تشریف آوری کا یہ واقعہ اس مریض کے واہمہ کا کوئی تصرف نہیں تھا بلکہ حقیقتاً حضرت شیخ اس کے پاس تشریف لائے اور چشم زدن میں شفایاب کر کے چلے گئے۔

ایک لمحے کیلئے ذرا خالی الذہن ہو کر سوچئے کہ اس واقعہ کے ضمن میں کتنے سوالات سر اٹھا رہے ہیں:۔

پہلا سوال تو یہی ہے کہ اگر مولوی حسین احمد صاحب کو علم غیب نہیں تھا تو انہوں نے سینکڑوں میل کی مسافت سے یہ کیونکر معلوم کرلیا کہ ہمارا فلاں مرید علالت کے سنگین مرحلے سے گزر رہا ہے فوراً چل کر اس کی مدد کی جائے اور......

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس مریض کے پاس وہ خواب میں نہیں بلکہ عین بیداری کی حالت میں تشریف لائے اور وہ بھی ایک لطیف پیکر میں کہ اس مریض کے سوا آس پاس کے تمام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے آخر جیتے جی یہ روح کی طرح ایک لطیف پیکر انہیں کہاں سے مل گیا؟ 'اور پھر شفا بخشی' ذرا یہ قوتِ کرشمہ ساز بھی دیکھئے کہ ادھر مسیحا نے ہاتھ پھیرا اور بیمار نیم جاں نے آنکھیں کھول دیں۔

دیوبندی مذہب میں اگر ان چیزوں کا خدائی تصرف نہیں ہے تو صاحب تقویۃ الایمان نے سیاہ لکیروں کے ذریعے خدائی اختیارات کی جو تصویر کھینچی ہے وہ تصویر کس کی ہے؟

پھر انصاف و دیانت کی یہ کتنی دردناک پامالی ہے کہ غیبی قوتِ انکشاف اور تصرف و اختیار کا جو عقیدہ دیوبندی حضرات کے نزدیک رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق ثابت شدہ نہیں ہے وہی ان کے شیخ کی ادنیٰ کرامت ہے۔

آواز دو غیرتِ حق کو! وہ کہاں مر گئی؟

ایک اور تہلکہ خیز کہانی

غیبی قوتِ ادراک اور باطنی تصرفات کی اس سے بھی زیادہ ایک تہلکہ خیز کہانی ملاحظہ فرمایئے:۔

دیوبندی رہنما مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری نے 'انفاس قدسیہ' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مدینہ بک ڈپو بجنور سے شائع ہوئی ہے۔ وہ کتاب مولوی حسین احمد صاحب کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں مولوی حسین احمد صاحب کے کسی مرید کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جو اسے آسام کے ایک پہاڑی علاقے میں پیش آیا تھا۔ اب پوری کہانی انہی کے الفاظ میں سنئے۔

بالی زندی مولوی بازار کے ایک صاحب آزادی سے قبل ڈھاکہ سے شیلانگ بذریعہ موٹر جا رہے تھے۔ صوبہ آسام کا ایک اکثر حصہ پہاڑی ہے اس میں موٹر یا بس چلنے کا جو راستہ ہے وہ بہت تنگ ہے فقط ایک گاڑی جا سکتی ہے دو کی گنجائش نہیں۔ یہ صاحب حضرت کے مرید تھے جب نصف راستہ طے ہوگیا تو دیکھا کہ سامنے سے ایک گھوڑا بڑے زوروں سے آ رہا ہے اس شخص اور دیگر تمام حضرات کو خطرہ پیدا ہوا کہ اب کیا ہوگا موٹر روک لی لیکن اس کے باوجود بھی بڑی تشویش کیونکہ گھوڑا بلا سوار بڑی تیزی سے دوڑا آ رہا تھا۔

راوی کا کہنا ہے کہ اس شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر پیر و مرشد ہوتے دعا کرتے۔ ابھی اتنا سوچا ہی تھا کہ حضرت شیخ گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہیں غائب ہوگئے۔ (انفاس قدسیہ، ص ۱۸۶)

کہاں دیوبند اور کہاں آسام کی پہاڑی! درمیان میں سینکڑوں میل کا فاصلہ! لیکن دل میں خیال گزرتے ہی حضرت وہاں چشم زدن میں پہنچ گئے اور گھوڑے کی لگام تھام کر بجلی کی طرح غائب ہوگئے۔ سینکڑوں میل کے فاصلے سے دل کی زبان کا استغاثہ انہوں نے سن لیا۔ سن ہی نہیں لیا بلکہ وہیں سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ واقعہ کہاں درپیش ہے اور صرف معلوم ہی نہیں کر لیا بلکہ چشم زدن میں وہاں پہنچ گئے اور پہنچ ہی نہیں گئے بلکہ اس صبا رفتار کی لگام پکڑ کر غائب بھی ہوگئے۔

اب حق پرستی کا نشان دنیا سے اگر مٹا نہیں ہے تو تصویر کے پہلے رخ میں دیوبندی مذہب کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں انہیں سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے کہ مولوی حسین صاحب کی غیبی چارہ گری کا یہ قصد کیا یہ اثر نہیں چھوڑتا کہ ان حضرات کے یہاں شرک کی ساری بحثیں صرف انبیاء و اولیاء کی حرمتوں سے کھیلنے کیلئے ہیں ورنہ خالص عقیدۂ توحید کا جذبہ اس کے پیچھے کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کی یہ تفریق کیوں کی جاتی؟

غور فرمایئے! یہ سارے واقعات وہ ہیں جو غیبی ادراک اور تصرف کی وہ قوت چاہتے ہیں جسے دیوبندی حضرات کے نزدیک کسی مخلوق میں تسلیم کرنا شرک ہے لیکن مبارک ہو کہ شیخ کی محبت میں یہ شرک بھی انہوں نے اپنے حلق کے نیچے اُتار لیا۔

وفات کے بعد لحد سے نکل کر دوست کے گھر آنا

یہ قصہ تو حضرت کی حیاتِ ظاہری کا تھا کہ بجلی کی طرح چمکے اور غائب ہوگئے اور لوگوں نے ماتھے کی آنکھوں سے انہیں دیکھ بھی لیا لیکن اب وفات کے بعد اپنی لحد سے نکل کر تشریف لانے کا ایک حیرت انگیز واقعہ سنئے :۔

کچھ عرصہ ہوا دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم میں مولوی ابراہیم صاحب بلیاوی کی موت پر ایک نہایت سنسنی خیز خبر شائع ہوگئی تھی مرض الموت کا عینی شاہد لکھتا ہے کہ جب مولوی ابراہیم صاحب کی موت کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا، حضرت والا صاحب کھڑے ہیں تو ادب نہیں کرتا حضرت مدنی کھڑے ہنس رہے ہیں اور بلا رہے ہیں شاہ وصی اللہ صاحب آئے ہیں مجھ کو اُٹھاؤ۔ (دارالعلوم بابت مارچ ۱۹۳۷ء ص ۳۷)

مولوی حسین احمد صاحب کو دیوبند کی سرزمین میں پیوند خاک ہوئے کافی عرصہ گزر گیا اور شاہ وصی اللہ صاحب کا کیا کہنا کہ انہیں تو دفن ہونے کیلئے دوگز زمین بھی میسر نہیں آئی جہاز ہی سے وہ سمندر کی گود میں سلا دیئے گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان حضرات کو علم غیب نہیں تھا تو مولوی حسین احمد صاحب کو دیوبند کے گورستان میں شاہ وصی اللہ صاحب کو سمندر کی تہوں میں کیونکر خبر ہوگئی کہ مولوی ابراہیم پا بہ رکاب ہیں انہیں چل کر اپنے ہمراہ لایا جائے اور پھر اتنا ہی نہیں غیبی قوت ادراک کے ساتھ ساتھ ان کے اندر حرکت ارادی کی یہ قدرت بھی تسلیم کر لی گئی کہ وہ عالم برزخ سے چل کر سیدھے مرنے والے کے بستر مرگ تک جا پہنچے اور اسے اپنے ہمراہ لئے ہوئے شہر خموشاں کی طرف لوٹ گئے۔

اب ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کہ علم و ادراک اور قدرت و اختیار کا یہی عقیدہ ہم اپنے آقا برحق سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں روا رکھتے ہیں تو دیوبند کے یہ 'موحدین' ہمیں ابوجہل کے برابر مشرک سمجھنے لگتے ہیں۔

بھاگل پور سے ایک مرید کا بذریعہ مراقبہ جنازے میں شریک ہونا

اب تک تو بات چل رہی تھی خود حضرت 'شیخ' کی، لیکن اب ان کے ایک مرید کے غیبی قوتِ ادراک کا کمال ملاحظہ فرمایئے ضلع بھاگل پور کے کسی گاؤں میں حاجی جمال الدین نام کے کوئی مرید تھے انہوں نے اسی شیخ الاسلام نمبر میں اپنے حضرت کی وفات کے بعد کا ایک حیرت انگیز قصہ بیان کیا ہے...... لکھتے ہیں کہ

میں حضرت کے وصال کے بعد شبِ جمعہ کو واضح رہے کہ (حضرت کا انتقال جمعرات کو ہوا تھا) بارہ تسبیح سے فراغت کے بعد کچھ دیر بعد مراقب ہو کر بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کا وصال ہو گیا ہے اور مجمع کثیر ہے اور حضرت کی نمازِ جنازہ پڑھی جا رہی ہے میں بھی ان لوگوں کو دیکھ کر نمازِ جنازہ میں شریک ہو گیا۔ اسکے بعد لوگ حضرت کو قبرستان کی طرف لے چلے۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۳)

کتنا عجیب و غریب مراقبہ ہے کہ بغیر کسی 'نامہ بر' کے حضرت کے وصال کی خبر بھی معلوم ہو گئی۔ گھر بیٹھے بیٹھے آنکھوں سے جنازے کا مجمع بھی دیکھ لیا اور پلک جھپکتے وہاں پہنچ کر جنازے میں شریک بھی ہو گئے۔ واضح رہے کہ مراقبہ خواب کی حالت نہیں ہوتی بلکہ عین بیداری کی حالت ہوتی ہے۔

اب ایک طرف بے حجاب مشاہدات اور خدائی تصرفات کا یہ کھلا ہوا دعویٰ ملاحظہ فرمایئے کہ درمیان کا حجاب اُٹھانے کیلئے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی کوئی احتیاج پیش نہیں آئی اور دوسری طرف نبی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ان حضرات کے عقیدے کا یہ نوشتہ پڑھئے کہ (معاذ اللہ) سرکار کائنات کو پس دیوار کی بھی خبر نہیں ہے اور ان کے علم و ادراک کا ہر گوشہ حضرت جبریل امین کا شرمندۂ احسان ہے۔

غیب دانی کے چند عجیب واقعات

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے اپنی کتاب 'انفاس قدسیہ' میں اپنے 'حضرت' کی غیب دانی سے متعلق دو عجیب و غریب واقعے نقل کیے ہیں۔ ذیل میں انہیں پڑھیے اور توحید پرستی کے مقابلے میں 'شیخ پرستی' کے جذبے کی فراوانی کا تماشا دیکھیے۔۔۔۔۔۔ لکھتے ہیں کہ

پہلا واقعہ

رمضان المبارک کے موقع پر بارہا ایسا ہوا کہ جس دن آپ سورہ 'انا انزلنا' وتروں میں تلاوت فرماتے اس دن شبِ قدر ہوتی تھی اور عید کی چاندرات کے بارے میں بھی بارہا تجربہ کیا کہ جس دن چاندرات ہوتی تھی حضرت اسی دن صبح سے عید کا انتظام شروع کر دیتے تھے اور ایک دن پیشتر قرآن شریف ختم کر دیتے تھے چاہے ۲۹ تاریخ کیوں نہ ہو۔ حضرت کے اس طریقے کی بناء پر حضرت کا ہر خانقاہی بتا سکتا تھا کہ آج چاندرات ہے۔ (انفاس قدسیہ، ص ۱۸۵)

جس دن آپ سورۂ انا انزلنا وِتروں میں تلاوت فرماتے اسی دن شبِ قدر ہوتی تھی' کا یہ مطلب بھی یہ لیا جائے کہ آپ کے تلاوت فرما دینے کی وجہ سے چار و ناچار اس دن کو شب قدر ہونا پڑتا تھا جب بھی مفہوم اپنی جگہ پر قطعی متعین ہے کہ آپکو شبِ قدر کا علم ہو جاتا تھا حالانکہ اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ شبِ قدر مخلوق کے درمیان سر الٰہی کی طرح مستور رکھی گئی ہے خود رسول پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی صراحت کے ساتھ اس کی تعین نہیں فرمائی ہے لیکن دیوبند کے یہ 'حضرت' اپنی غیبی قوتِ ادراک کے ذریعے خدا کے حرم میں نقب لگا کر یہ معلوم فرما لیتے تھے کہ آج شبِ قدر ہے۔

اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کئی دن پیشتر آپ پر یہ بھی منکشف ہو جاتا تھا کہ کس دن چاند نظر آئے گا اور پھر یہ علم اتنا یقینی ہوتا تھا کہ اپنے اسی علم کی بنیاد پر وہ خود بھی قبل از وقت عید کی تیاری شروع کر دیتے تھے اور ان کی خانقاہ کے درویشوں کو بھی چاندرات معلوم کرنے کیلئے آسمان کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔

اپنے حضرت کے متعلق توحید کے علمبرداروں کا ذریعہ یہ ذہن ملاحظہ فرمائیے، کتاب وسنت کی ساری ہدایات یہاں پر بیکار ہو گئیں، اب صرف 'حضرت' کا جذبہ عقیدت ہے اور وہ ہیں۔۔۔۔۔ لکھتے ہیں کہ

دوسرا واقعہ

مولوی اسحاق صاحب حبیب گنجی بیان فرماتے ہیں کہ ہر رمضان المبارک کے موقعہ پر آپ سلہٹ والوں کے اصرار پر سلہٹ تشریف لائے تھے اس سلسلے میں سلہٹ کے ایک دکاندار سے چندہ لینے کیلئے بات چیت ہوئی تھی اس نے ترش روئی سے گیارہ روپے چندہ دیا اور یہ لفظ کہا کہ کیا یہ ٹیکس ہے؟

بہر حال وصول شدہ چندہ کی ایک رقم حضرت کے پاس بھیج دی گئی اور کوپن پر یہ تحریر تھا کہ دکاندار سے روپیہ لے کر روانہ کرنا مجھے پسند نہیں اس کو یہ روپیہ واپس دے دو۔ (انفاس قدسیہ، ص ۱۸۶)

اللہ اکبر! کہاں سلہٹ کہاں دیوبند! لیکن واقعہ کی نوعیت پڑھ کر بالکل ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس دکاندار کی ترش روئی کا واقعہ بالکل 'حضرت' کے سامنے پیش آیا ہو۔

یہ ہے جذبہ عقیدت کی کارفرمائی کہ جسے مان لیا، مان لیا۔

تیسرا واقعہ

دہلی کے مولوی عبدالوحید صدیقی نے 'عظیم مدنی نمبر' کے نام سے اپنے اخبار 'نئی دنیا' کا ایک نمبر شائع کیا تھا موصوف نے اپنے اس نمبر میں مولوی حسین احمد صاحب کی غیب دانی سے متعلق مراد آباد جیل کے دو واقعے نقل کئے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں...... لکھتے ہیں کہ

ایک دن حضرت کے نام پانوں کا پارسل آیا جس کا علم صرف نبرجی صاحب (جیلر) کو ہی تھا اور کسی شخص کو نہ تھا۔ موصوف نے وہ پارسل بہ نظر احتیاط روک لیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد حسبِ معمولی بارکوں کے معائنے کیلئے گئے۔ حضرت مدنی کے ساتھ اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب اور دیگر حضرات تھے۔ جیسے ہی جناب نبرجی صاحب حضرت کے سامنے آئے حضرت نے فرمایا کیوں صاحب! آپ نے میرا پارسل روک لیا ہے خیر کچھ حرج نہیں۔ آج اس میں سے صرف چھ پان دے دیجئے پرسوں تک دوسرا پارسل آجائے گا۔

جناب نبرجی صاحب کو بڑا تعجب ہوا کہ اس واقعہ کا علم حضرت کو کیسے ہوا؟ موصوف نے چپکے سے پان لا کر حاضر کر دیے۔ حضرت نے اس میں صرف چھ عدد لے لئے اور بقیہ واپس فرما دیئے اور فرمایا کہ پان پرسوں تک آئے گا اس کو نہ روکے گا۔

تیسرے دن حسبِ ارشاد پانوں کا پارسل آیا اب موصوف کو خیال ہوا کہ یہ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے فقیر معلوم ہوتے ہیں۔ (روزنامہ نئی دہلی کا عظیم مدنی نمبر ص ۲۰۸)

اسے کہتے ہیں ایک تیر میں دو نشانے! گزشتہ کا بھی حال بتا دیا کہ میرا پانوں کا پارسل آیا ہوا تھا اسے آپ نے روک لیا! آئندہ کی بھی خبر دے دی کہ پرسوں تک میرا پانوں کا پارسل پھر آئے گا اسے نہ روکئے گا۔

اب اس واقعہ کا ذیل میں سب سے بڑا ماتم اس سنگدلی کا ہے کہ یہاں گزشتہ اور آئندہ کا علم تو خدا تک پہنچے ہوئے فقیر کی علامت ٹھہرا۔

چوتھا واقعہ

اس جیل کا دوسرا واقعہ موصوف بیان کرتے ہیں کہ

انہی دنوں جیل میں مولانا کے نام کہیں سے کوئی خط آیا تھا جس پر محکمہ سنسر کی مہر لگی ہوئی تھی جیلر نے وہ خط مولانا کو دے دیے۔ انسپکٹر جنرل کی طرف سے باز پرس ہوئی اور اسی جرم میں جیلر کو معطل کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے فوراً بعد صاحبِ موصوف مولانا کی خدمت میں پہنچے، دیکھتے ہی مسکرا کر مولانا نے فرمایا پان جو دیئے تھے اس سے معطل ہوئے پان نہ دیتے تو کیا ہوتا ان کو سخت حیرت تھی کہ یہ واقعہ ابھی ابھی دفتر میں ہوا ہے کسی کو خبر تک نہیں انہیں کیونکر علم ہوا انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو فرمایا ان شاء اللہ کل تک بحالی کا حکم آجائے گا تم مطمئن رہو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دوسرے دن ڈاک میں جو پہلی چیز ہاتھ میں آئی وہ معطلی کے حکم میں منسوخی اور بحالی تھی۔ اس واقعہ سے نبرجی صاحب اور دیگر عہدیداران جیل حضرت کے معتقد ہوگئے۔ (نئی دنیا دہلی عظیم مدنی نمبر ص ۲۰۳)

یہاں بھی ایک تیر سے دو نشانہ ہے گزشتہ کی بھی خبر دے دی اور آئندہ کا بھی حال بتا دیا۔

یہ سوچ کر آنکھوں سے خون ٹپکنے لگتا ہے کہ جس کمال کو اپنے شیخ کے حق میں کافروں کے معتقد ہونے کا ذریعہ تسلیم کیا گیا اسی کمال کو جب مسلمان اپنے نبی کے حق میں تسلیم کرتے ہیں تو یہ انہیں مشرک سمجھنے لگتے ہیں۔

چوتھا باب جو شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب کے حالات وواقعات پر مشتمل تھا یہاں پہنچ کر تمام ہوگیا۔

اب آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تصویر کے پہلے رخ میں جن اعتقادات کو ان حضرات نے انبیاء واولیاء کے حق میں شرک قرار دیا تھا اپنے اور اپنے بزرگوں کے حق میں یہی اعتقادات عین اسلام کیونکر بن گئے۔

تصویر کے پہلے رخ میں اپنے جن معتقدات کا اظہار کیا گیا ہے یا تو وہ باطل ہیں یا پھر تصویر کے دوسرے رخ میں جو واقعات نقل کیے گئے ہیں وہ غلط ہیں۔ ان دو باتوں میں سے جو بات بھی قبول کی جائے مذہبی دیانت، دینی اعتماد اور علمی ثقاہت کا خون ضروری ہے۔

غیرت حق کا جلال اگر نقطۂ اعتدال کی طرف لوٹ آیا ہو تو ورق اُلٹئے اور پانچویں باب کا مطالعہ کیجئے۔

اس باب میں حضرت شاہ حاجی امداد اللہ کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی وغیرہم کی روایات سے وہ واقعات و حالات جمع کیے گیے ہیں جو عقیدۂ توحید کے تقاضوں سے تصادم، مذہب سے انحراف اور منہ بولے شرک کو اپنے بزرگوں کے حق میں اسلام وایمان بنالینے کی شہادتوں سے بوجھل ہیں۔

چشم انصاف کھول کر پڑھیے اور ضمیر کا فیصلہ سننے کیلئے گوش برآواز رہئے۔

سلسلہ واقعات

خبر رسانی کا ایک نیا ذریعہ

حضرت شاہ امداد اللہ صاحب کے متعلق ذیل کے اکثر واقعات 'کرامات امدادیہ' نامی کتاب سے اخذ کئے گئے ہیں جو مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی اشرف علی صاحب وغیرہم کی روایات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب کتب خانہ ہادی دیو بند سے شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب کے ایک مرید مولانا محمد حسین صاحب اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک ظہر کے بعد میں اور مولوی منور علی اور ملا محب الدین صاحب کوئی ضروری بات عرض کرنے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت حسب معمول اوپر جا چکے تھے کوئی آدمی تھا نہیں کہ اطلاع کرائی جاتی، آواز دینا ادب کے خلاف تھا۔ آپس میں مشورہ یہ کیا کہ حضرت کے قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں بات کا جواب مل جائے گا یا خود حضرت تشریف لے آئیں گے تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ حضرت اوپر سے تشریف نیچے لائے ہم لوگوں نے معذرت کی اس وقت حضرت لیٹے ہوئے تھے ناحق تکلیف ہوئی۔ ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے لیٹنے بھی نہ دیا کیونکر لیٹتا۔ (کرامات امدادیہ ص ۱۴)

دیکھ رہے ہیں آپ! مراقبہ ان حضرات کا، یہاں خبر رسانی کا کتنا عام ذریعہ ہے جب چاہا جہاں سے چاہا گردن جھکائی اور گفتگو کرلی یا حال معلوم کرلیا نہ ادھر کوئی زحمت نہ ادھر کوئی سوال کہ دل کے مخفی ارادوں پر کیونکر اطلاع ہوئی۔ وائرلیس کی طرح ایک طرف سگنل دیا اور دوسری طرف وصول کرلیا۔

لیکن کتنی شرمناک دین میں پاسداری کہ اپنے اور اپنے 'شیخ' کے سوال پر شرک کے سارے ضابطے ٹوٹ گئے اور جو بات نبی ولی کے حق میں کفر تھی وہی اپنے شیخ کے حق میں اسلام بن گئی۔

ایک مذہب شکن واقعہ

اب ایک دلچسپ قصہ سنئے...... مولوی ظفر حسین صاحب کاندھلوی دیوبندی جماعت کے مانے ہوئے بزرگوں میں ہیں تھانوی صاحب نے ان کی روایت سے اپنے پیرومرشد حضرت شاہ صاحب کا ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کرتے ہیں کہ

حضرت مولانا مظفر حسین شاہ صاحب مرحوم مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے اور اشتیاق تھا کہ مدینہ منورہ میں وفات ہو حاجی صاحب سے استفسار کیا کہ میری وفات مدینہ منورہ میں ہوگی یا نہیں؟ حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں کیا جانوں۔ عرض کیا حضرت! یہ عذر تو رہنے دیجئے جواب مرحمت فرمایئے۔ حضرت حاجی صاحب نے مراقب ہوکر فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے۔ (قصص الاکابر، ص ۱۳۶۔ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی)

بتایئے! یہ آنکھوں سے لہو ٹپکنے کی بات ہے یا نہیں؟ نصف صدی سے یہ لوگ چیخ رہے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کو علم نہیں کہ کون کہاں مریگا یہاں تک کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے انکار میں وما تدری نفس بای ارض تموت والی آیات ان حضرات کی نوک زبان وقلم سے ہر وقت لگی رہتی ہے حالانکہ وہ آیات اب بھی قرآن کریم میں موجود ہیں لیکن اپنے شیخ کے بارے میں ان حضرات کی خوش عقیدگی ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے مراقبہ کرتے ہی ایسی بات معلوم کرلی جو صرف خدا کا حق ہے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی خدا نے یہ علم نہیں عطا فرمایا۔

جیسا کہ فتح بریلی کا دلکش نظارہ نامی کتاب میں دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

وہ پانچ غیب جن میں مرنے کی جگہ کا علم بھی شامل ہے ان کو حق تعالیٰ عالم الغیب نے اپنے لئے خاص کرلیا ہے ان کی اطلاع نہ کسی مقرب فرشتے کو دی نہ کسی نبی ورسول کو۔ (ص ۸۵)

پھر مراقبہ اور قلبی توجہ کی یہ قوت جس نے چشم زدن میں پردہ غیب کا ایک سربستہ راز معلوم کرلیا نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں یہ حضرات تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ یہی تھانوی صاحب جو اپنے پیرومرشد کے حق میں اس عظیم قوتِ انکشاف کے خود قائل ہیں۔ اپنی کتاب حفظ الایمان میں سیّد کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیبی قوتِ ادراک پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بہت سے امور میں آپ کا خاص اہتمام سے توجہ فرمانا بلکہ فکرو پریشانی میں واقع ہونا ثابت ہے۔ قصہ افک میں آپ کی تفتیش و استکشاف بالبلیغ وجوہ صحاح میں مذکور ہے مگر توجہ سے انکشاف نہیں ہوا بعد ایک ماہ کے وحی کے ذریعے اطمینان ہوا۔ (ص ۷)

تھانوی صاحب کا یہ بیان اگر صحیح ہے تو بظاہر اس کی دو ہی وجہ سمجھ آتی ہیں یا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیبی قوت ادراک معاذ اللہ اتنی کمزور تھی کہ مخفی حقائق کی تہ تک پہنچنے سے قاصر رہ گئی یا پھر معاذ اللہ بارگاہِ خداوندی میں انہیں تقرب کا وہ درجہ حاصل نہیں تھا کہ توجہ کرتے ہی انکشاف ہو جاتا اور ایک ماہ تک فکر و پریشانی میں مبتلا رہنے کی نوبت آتی اور پھر اس قسم کا حادثہ ایک بار نہیں پیش آیا کہ اسے اتفاق پر محمول کرلیا جائے بلکہ تھانوی صاحب کے کہنے کے مطابق بہت سے اُمور میں اس طرح کے حالات سے حضور کو گزرنا پڑا۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اپنے رسول کے حق میں ذہن کی بیگانگی اور قلم کی بے وفائی کا کیا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت چاہیے کہ اپنے شیخ کے علم کی تحسین اور رسول کے علم کی تنقیص دونوں کا مصنف کا ایک ہی شخص ہے اور پھر اس واقعہ میں جس اعتقاد کا سب سے دلچسپ تماشا تو یہ ہے کہ جب شاہ صاحب نے قرآن کریم کی آیت کے بموجب اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو اس پر وہ خاموش نہیں ہو گئے بلکہ یہ کہہ کر "یہ عذر تو رہنے دیجئے" ان کی غیب دانی کے متعلق اپنے دل کے یقین کا بالکل نقاب الٹ دیا۔

اب اس کا فیصلہ آپ ہی کیجئے کہ بالکل ایک ہی طرح کے مقدمے میں ان حضرات کے یہاں سوچنے کا انداز اپنے اور بیگانے کی طرح کیوں ہے؟

روئے زمین کے علم محیط کا ایک عجیب واقعہ

اب ایک بہت ہی پر لطف اور حیرت افزا قصہ سنئے۔ شاہ صاحب کے خاص مریدوں میں مولوی محمد اسماعیل نامی ایک صاحب گزرے ہیں کرامات امدادیہ میں وہ اپنے بھائی کی زبانی یہ عجیب و غریب واقعہ نقل کرتے ہیں کہ

میں نے اپنے برادر معظم حاجی عبدالحمید صاحب سے سنا ہے کہ ایک دفعہ مولوی محی الدین صاحب فرماتے تھے کہ چونکہ حضرت حاجی صاحب عرصۂ دراز بوجہ ضعفِ بدن حج کرنے سے معذور تھے ہم نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ آج خاص یومِ عرفات (یعنی یوم حج) ہے، دیکھنا چاہئے کہ حضرت کہاں ہیں؟ انہوں نے مراقب ہو کر دیکھا کہ حضرت جبل عرفات کے نیچے تشریف رکھتے ہیں۔ ہم لوگوں نے بعد عرض کیا کہ آپ یوم عرفات میں کہاں تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ کہیں بھی نہیں مکان پر تھا۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو فلاں جگہ تشریف رکھتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یا اللہ! لوگ کہیں بھی چھپا نہیں رہنے دیتے۔

(کرامات امدادیہ، ص ۴۰)

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ شاہ صاحب نے غلط طور پر کہہ دیا کہ وہ مکان پر تھے اسلئے شاہ صاحب کو غلط بیانی کے الزام سے بچانے کیلئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس دن وہ مکان پر بھی تھے اور جبل عرفات کے نیچے بھی۔

لیکن اپنے شیخ کے حق میں دل کی وارفتگی کا یہ تصرف یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک وجود کو متعدد مقامات میں موجود تصور کرتے ہوئے نہ انہیں عقل کا کوئی استحالہ نظر آیا اور نہ قانونِ شریعت کی کوئی خلاف ورزی محسوس ہوئی اور پھر داد دیجئے ان تلاش کرنے والوں کو کہ جو گھر بیٹھے سارا جہاں چھان آئے اور جبل عرفات کے نیچے اپنے شیخ کو پالیا۔ اسے کہتے ہیں علم وادراک کی غیبی توانائی جو خانقاہ امدادیہ کے درویشوں کو تو حاصل ہے لیکن دیوبندی مذہب میں سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہیں ہے۔

اور شاہ صاحب کا یہ جواب کہ 'یا اللہ لوگ کہیں بھی چھپا رہنے نہیں دیتے' مریدین و متوسلین کی غیب دانی کے ثبوت کیلئے ایک الہامی دستاویز سے کم نہیں۔

ایمان کی بوجھل شہادتوں کو گواہ بنا کر کہئے کہ حق و باطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کیلئے کیا اب بھی کسی مزید نشانی کی ضرورت باقی ہے؟

عقیدۂ توحید سے ایک خونریز تصادم

نگاہ پر بوجھ نہ ہو تو اخیر میں عقیدۂ توحید کے ساتھ خونریز تصادم کا ایک واقعہ پڑھئے۔ اسی کراماتِ امدادیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انہی شاہ صاحب کے ایک مرید کسی بحری جہاز سے سفر کر رہے تھے کہ ایک تلاطم خیز طوفان سے جہاز ٹکرا گیا قریب تھا کہ موجوں کے ہولناک تصادم سے اس کے تختے پاش پاش ہو جائیں۔

اب اس کے بعد کا واقعہ خود راوی کی زبانی سنئے..... لکھا ہے کہ

انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں ہے اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا۔ اس وقت سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ہے، اسی وقت آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔

ادھر تو یہ قصہ پیش آیا ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اُٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اُتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے؟ کمر کیونکر چھلی؟ فرمایا کچھ نہیں پھر پوچھا آپ خاموش رہے تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آگبوٹ ڈوبا جا رہا تھا اس میں تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا، اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا اور آگبوٹ کو کمر سے سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی اسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔ (کراماتِ امدادیہ، ص ۱۸)

قبیلے کے شیخ کی غیبی قوتِ ادراک اور خدائی اختیارات کا یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہزاروں میل کی مسافت سے دل کی زبان کا خاموش استغاثہ سن لیا اور سن ہی نہیں لیا بلکہ فوراً ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ سمندر کی ناپیدا کنار وسعتوں میں حادثہ کہاں پیش آیا ہے اور معلوم ہی نہیں کر لیا بلکہ چشم زدن میں وہاں پہنچ بھی گئے اور جہاز کو طوفان سے نکال کر واپس لوٹ آئے لیکن وائے رے دل حرماں نصیب کی شرارت کہ رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

یہ جو بعضے اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت! تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کرائیں۔ یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ گو مانگنے کی راہ سے شرک نہیں ثابت ہوا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۳۳)

لیکن یہاں تو مانگنا بھی ہوا اور پکارنا بھی، دو دو شرک جمع ہو جانے کے باوجود توحید پر ان حضرات کی اجارہ داری اب تک قائم ہے اور ہم صرف اس لئے مشرک ہیں کہ جن اعتقادات کو وہ اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں روا رکھتے ہیں ہم نے انہی کو رسول کونین، شہید کربلا، غوث جیلانی اور خواجہ خواجگان چشت کے حق میں اپنے جذبۂ عقیدت کا معمول بنالیا ہے۔

اس کا نام اگر شرک ہے تو شرک کا مفہوم بدل دیجیے لیکن ہم اپنی راہ ہرگز نہیں بدلیں گے۔

یہ پانچواں باب جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب تھانوی کے حالات وواقعات پر مشتمل تھا یہاں پہنچ کر تمام ہو گیا۔

تصویر کے دونوں رخوں کا منصفانہ جائزہ لینے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ ان حضرات کے یہاں دو طرح کی شریعتیں متوازی طور پر چل رہی ہیں۔

ایک تو انبیاء و اولیاء کے حق میں اور دوسری اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں۔

ایک ہی عقیدہ جو پہلی شریعت میں کفر ہے، شرک ہے اور ناممکن ہے وہی دوسری شریعت میں اسلام ہے، ایمان ہے اور امر واقعہ ہے۔

ضمیر کا یہ چیختا ہوا مطالبہ اب کسی مصلحت کے اشارے پر دبایا نہیں جا سکتا کہ دو شریعتوں کا اسلام ہرگز وہ اسلام نہیں ہو سکتا جو خدا کے آخری پیغمبر کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

غیرت حق کا جلال اگر نقطۂ اعتدال کی طرف لوٹ آیا ہو تو ورق الٹئے اور اس طلسم فریب کے عجائبات کا باقی حصہ بھی دیکھ لیجیے۔

علامہ اقبال سے معذرت کے ساتھ

زمن بر ملائے دیوبند
کہ احکامِ شرک گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

اس باب میں دیوبندی جماعت کے مختلف مشاہیر واکابر کے حالات وواقعات انہی حضرات کے لٹریچر سے جمع کیے گئے ہیں اور ان کے تاریخی نوشتے اور مستند دستاویزات سامنے آئیں گی جن میں عقیدۂ توحید سے تصادم، اپنے مذہب سے انحراف اور منہ بولے شرک کو اپنے حق میں اسلام وایمان بنالینے کی سازشوں کے ایسے ایسے نمونے آپ کو ملیں گے کہ آپ حیران وششدر رہ جائیں گے۔

سلسلہ واقعات

مولوی محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دیوبند کا قصہ

کشف وغیب دانی کی ایک طویل داستان

روزنامہ الجمعیۃ دہلی خواجہ غریب نواز نمبر کے نام سے ایک نمبر شائع کیا ہے اس میں قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ایک مضمون شائع ہوا ہے مولوی محمد یعقوب صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے قاری صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دارالعلوم دیوبند کے اوّلین صدر مدرس تھے۔ نہ صرف عالم ربانی بلکہ عارف باللہ اور صاحب کشف وکرامت اکابر میں سے تھے۔ ان کے بہت سے مکتوبات اکابر مرحومین کی زبانی سننے میں آئے۔

حضرت مولانا پر جذب کی کیفیت تھی اور بعض دفعہ مجذوبانہ انداز سے جو کلمات زبان سے نکل جاتے تھے وہ من وعن واقعات کی صورت میں سامنے آجاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی درس گاہِ کلاں موسوم بہ نودرہ کے وسطی ہال میں حضرت مرحوم کی درسگاہ حدیث تھی نودرہ کی وسطی در کے سامنے والی ایک جگہ کے بارے میں فرمایا کہ جس کی نمازِ جنازہ اس جگہ ہوتی ہے وہ...... ہوتا ہے (یعنی بخش دیا جاتا ہے)۔ (خواجہ غریب نواز نمبر ص ۵)

ایک دیوانے کی بات تھی لیکن اب دانشوروں کے ایمان ویقین کا عالم ملاحظہ فرمایئے...... لکھتے ہیں کہ

عموماً اس وقت دارالعلوم میں جتنے جنازے متعلقین دارالعلوم یا شہر کے حضرات کے آتے ہیں اس جگہ لاکر رکھے جانے کا معمول ہے۔ احقر نے سیمنٹ سے اس جگہ کو متشخص (ممتاز) کرادیا ہے۔ (ص ۵)

بزرگانِ دین کے ایصال ثواب کیلئے کسی وقت کی تخصیص یا ذکر وبیان کیلئے کسی دن کے تعین پر تو یہ حضرات بدعت وحرام کا شور مچاتے ہیں لیکن یہاں ان سے اب کوئی نہیں پوچھتا کہ جنازے کی نماز دارالعلوم کے سامنے احاطوں میں ہوسکتی ہے لیکن ایک خاص جگہ کی تخصیص اور اس پر عمل درآمد یہ اہتمام کیا بدعت نہیں ہے؟

بہر حال ضمنی طور پر درمیان میں یہ بات نکل آئی اب پھر اسی سلسلہ بیان کی طرف متوجہ ہوجایئے۔ فرماتے ہیں کہ

اس مجذوبیت کے سلسلے سے مولانا کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ میں ناقص رہ گیا ہوں حضرت پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ مکہ میں ہیں وہاں جانا مشکل ہے لیکن میری تکمیل دونوں بزرگ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کر سکتے ہیں اسلئے بار باران سے فرماتے بھائی میری تکمیل کراؤ۔ یہ حضرات جواب دیتے کہ اب آپ میں کوئی کمی نہیں ہے اور جتنی کچھ ہے بھی سو وہ بھی مدرسہ دیوبند میں حدیث پڑھانے ہی سے پوری ہو جائے گی۔ اس لئے آپ درس حدیث میں مشغول رہیں یہی درس آپ کی تکمیل کا ضامن ہے۔ اس پر خفا ہوئے کہ یہ دونوں بخل کرتے ہیں سب کچھ لئے بیٹھے ہیں اور میرے حق میں بخل کر رہے ہیں۔ (خواجہ غریب نواز نمبر ص ۵)

اس کے بعد لکھا ہے کہ ادھر سے مایوس ہو جانے کے بعد انہوں نے اجمیر شریف حاضری کا ارادہ کر لیا تا کہ خواجہ غریب نواز کے حضور میں اپنی تکمیل کر سکیں۔ چنانچہ ایک دن وہ اسی جذبہ شوق میں اٹھے اور اجمیر کیلئے روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے روضۂ خواجہ کے قریب ایک پہاڑی پر اپنی کٹیا بنائی اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ لکھا ہے کہ اکثر مزار شریف پر حاضر ہو کر دیر دیر تک مراقب رہتے۔

آپ کی تکمیل مدرسہ دیوبند میں حدیث پڑھانے سے ہی ہو گی۔ آپ وہیں جائیں اور ساتھ حضرت خواجہ کا یہ مقولہ بھی منکشف ہوا کہ آپ کی عمر کے دس سال رہ گئے ہیں اس میں یہ تکمیل ہو جائے گی۔ (ص ۶)

لکھا ہے کہ اس واقعہ کے دوسرے ہی دن وہ اجمیر واپس ہوئے اور سیدھے اپنے وطن مالوف نانوتہ پہنچے وہاں سے گنگوہ کا قصد کیا۔ حضرت گنگوہی حسب معمول اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کسی نے خبر دی کہ مولانا یعقوب صاحب آ رہے ہیں۔ حضرت نام سنتے ہی چارپائی سے کھڑے ہو گئے۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود قاری صاحب موصوف کی زبانی سنئے...... لکھا ہے کہ

جب مولانا یعقوب صاحب قریب آ گئے تو بلا گفتگو کے سلام علیک کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا، ہم پہ کچھ احسان نہیں ہے ہم پہ کچھ احسان نہیں ہے۔ خدام بھی وہی بات کر رہے تھے جو حضرت خواجہ نے فرمائی ہے مگر چھوٹوں کی کون سنتا ہے؟ جب اوپر سے بھی وہی کہا گیا جو خدام عرض کیا کرتے تھے تب آپ نے قبول فرمایا۔ (خواجہ غریب نواز نمبر ص ۶)

مذہبی مزاج کے خلاف ہونے کے باوجود یہ واقعہ صرف اس لئے برپا کیا کہ اس سے مدرسہ دیو بند کی فضیلت ثابت ہوتی ہے ورنہ جہاں تک خواجہ غریب نواز کے روحانی اقتدار اور غیبی تصرف پر یقین واعتماد کا تعلق ہے تو یہ حضرات نہ صرف یہ کہ اسکے منکر ہیں بلکہ اس کے خلاف جہاد کرنا اپنے دین کا اوّلین فریضہ سمجھتے ہیں جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اس طرح کے کئی حوالے آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

بہرحال کسی بھی جذبے کے زیر اثر یہ واقعہ صفحۂ قرطاس پر آیا ہو ہم قاری صاحب موصوف سے چند سوالات پر اپنے دل کا اطمینان ضرور چاہیں گے:۔

پہلی بات تو یہی ہے کہ خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگر علم غیب نہیں تھا تو انہیں کیونکر معلوم ہوگیا کہ دیو بند میں ایک مدرسہ ہے جہاں حدیث کا درس دیا جاتا ہے اور مولوی محمد یعقوب وہاں سے درس حدیث چھوڑ کر ہمارے یہاں آئے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ انہیں یہ خبر کیونکر ہوئی کہ آنے والا منزل سلوک کی تکمیل کیلئے آیا ہے اور اس کی تکمیل یہاں نہیں ہوگی مدرسہ دیو بند میں ہوگی۔

اور تیسری بات تو نہایت تعجب خیز ہے کہ انہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان کے عمر کے دس سال باقی رہ گئے ہیں اور اس مدت میں تکمیل ہوجائے گی۔

اور چوتھی بات تو سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے کہ مراقبہ میں جو بات خواجہ غریب نواز نے مولوی یعقوب صاحب سے فرمائی تھی بغیر کسی اطلاع کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو اس کی خبر کیونکر ہوگئی؟

لیکن سب سے بڑا ماتم تو اس ستم ظریفی کا ہے کہ اتنے شرکیات کے مصالحت کرنے کے باوجود یہ حضرات توحید کے تنہا اجارہ دار ہیں اور ہمارے لئے مشرک، قبر پرست اور بدعتی کے القاب تراشے گئے ہیں لیکن آستینوں سے لہو ٹپکنے کے بعد قتل کا چھپانا بہت مشکل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے قصے

شکم مادر سے غیبی ادراک

مولوی حافظ رحیم بخش صاحب دہلوی نے 'حیات ولیٰ' کے نام سے حضرت شاہ صاحب قبلہ کی سوانح حیات لکھی ہے اس میں ان کی ولادت سے قبل کا ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے...... لکھتے ہیں کہ

ابھی مولانا شاہ ولی اللہ صاحب والدہ صاحبہ کے بطن مبارک ہی میں تشریف رکھتے تھے ایک دن (ان کے والد بزرگوار) جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی موجودگی میں ایک سائلہ آئی آپ نے روٹی کے دو حصے کر کے ایک اسے دیا اور ایک رکھ لیا۔

لیکن جونہی سائلہ دروازہ تک پہنچی شیخ صاحب نے دوبارہ بلایا اور بقیہ حصہ بھی عنایت کر دیا اور جب وہ چلنے لگی پھر آواز دی اور جس قدر روٹی گھر میں موجود تھی سب دے دی۔ اس کے بعد گھر والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ پیٹ والا بچہ بار بار کہہ رہا ہے کہ جتنی روٹی گھر میں ہے سب اس محتاج کو راہِ خدا میں دے دو۔ (حیات ولی ص ۳۹۷)

گویا شاہ صاحب بطن مادر ہی سے دیکھ رہے تھے کہ روٹی کا ایک حصہ بچا کر گھر میں رکھ لیا گیا اور جب ان کے کہنے پر باقی حصہ بھی ان کے والد نے دے دیا تو اسے بھی انہوں نے دیکھ لیا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ گھر میں ابھی اور روٹیاں رکھی ہوئی ہیں۔

جب ان کے کہنے پر سب دے ڈالا تب خاموش ہوئے۔

رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم و مشاہدہ پر تو سینکڑوں سوالات اُٹھائے جاتے ہیں لیکن یہاں کوئی نہیں پوچھتا کہ ایک جنین بچے کے سر میں وہ کون سی آنکھ تھی جس نے پردہ شکم سے دیواروں اور گھر کے برتنوں میں شگاف ڈال کر سارا چھپا ہوا حال دیکھ لیا۔ نہ عقیدہ توحید سے کوئی تصادم لازم آیا اور نہ اسلام و شریعت کی کوئی دیوار منہدم ہوئی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کا قصہ

زمین کی وسعتیں احاطۂ نظر میں

خود شاہ صاحب کی زبانی حیات ولی کا مصنف ان کے والد ماجد کی غیبی قوت ادراک کا ایک عجیب و غریب قصہ نقل کرتا ہے لکھا ہے کہ ایک دفعہ محمد علی، اورنگ زیب کے لشکر میں کسی سمت روانہ ہوا تھا چونکہ زمانہ دراز تک اس کی کوئی خبر عزیز و اقرباء کو نہیں ملی اس لئے اس کی مفقود الخبری نے بالخصوص اس کے برادر محمد سلطان کو سخت بے چین کر دیا اور جب وہ بہت ہی بے تاب ہوا تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ اس گمشدہ کی خبر دیں۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے توجہ کی اور ہر چند کہ اسے لشکر کے ایک ایک خیمے میں ڈھونڈا لیکن کہیں سراغ نہ ملا۔

اموات کے زمرے میں تلاش کیا وہاں بھی پتا نہ لگا۔ بعد ازاں میں نے لشکر کے اردگرد غور میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھا معلوم ہوا کہ غسل صحت پا کر شتری (بھورے) رنگ کے لباس زیب بدن کئے ہوئے ایک کرسی پر جلوہ آراء ہے اور وطن مالوف میں آنے کا تہیہ کر رہا ہے چنانچہ میں نے اس کے بھائی سے بیان کیا کہ محمد علی زندہ ہے اور تین مہینے میں آیا چاہتا ہے چنانچہ جب وہ آیا تو بجنسہٖ یہی واقعہ بیان کیا۔ (حیات ولی، ص ۲۷۲)

اب آپ ہی ایمان و انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ یہ واقعہ پڑھنے کے بعد کیا کسی رخ سے بھی یہ عیاں ہوتا ہے کہ زمین کی وسعتوں میں یہ جادہ پیمائی ڈھیر کی چھان بین، پھر اردگرد کے میدانوں میں جستجو، یہ ساری مہم، انہوں نے وہاں جا کر نہیں بلکہ دہلی میں بیٹھے بیٹھے غیبی ادراک کی مدد سے انجام دی تھی لیکن سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ غیبی قوت ادراک اور روحانی تصرف کا جو کمال یہ حضرات ایک ادنیٰ اُمتی کیلئے بے چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں اسی کو رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں شرک کہتے ہوئے انہیں کوئی تامل نہ ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کا قصہ

کشف وغیب دانی کا ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ

دیو بندی کا معتمد راوی شاہ امیر خان نے شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے کشف وغیب دانی کے متعلق اپنی کتاب ارواح ثلاثہ میں ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اگر عید کا چاند تیس کا ہونے والا ہوتا تو اوّل تراویح میں ایک سپارہ پڑھتے اور اگر اُنتیس کا چاند ہونے والا ہوتا تو اوّل روز دو سپارے پڑھتے۔

چونکہ اس کا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے شاہ عبدالعزیز صاحب اول روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ آؤ میاں عبدالقادر نے آج کتنے سپارے پڑھے ہیں۔ اگر آدمی آکر کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو اُنتیس ہی کو ہوگا۔

یہ بات دوسری ہے کہ ذیر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے رؤیت کا حکم نہ لگا سکیں۔

اس میں مولوی محمود حسن صاحب (دیوبندی) یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دہلی میں اس قدر مشہور ہوگئی تھی کہ بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہوگئے۔ (ارواح ثلثہ، ص ۴۹)

حکایت واقعہ کی عبارت چیخ رہی ہے کہ یہ صورتحال کسی ایک رمضان کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ بالتزام ہر رمضان المبارک میں انہیں ایک ماہ قبل ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ چاند ۲۹ کا ہوگا یا ۳۰ کا۔

اور مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی کا یہ کہنا ہے کہ اہل بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہوگئے۔

اس امر کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ ان کا کشف بھی غلط نہیں ہوتا تھا۔ اب آپ ہی انصاف سے کہئے! یہ آنکھوں سے لہو ٹپکنے کی بات ہے یا نہیں۔ گھر کے بزرگوں کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ ہر سال بالتزام وہ ایک ماہ قبل ہی چھپی ہوئی بات معلوم کر لیتے تھے لیکن رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ان کے عقیدے کی یہ صراحت گزر چکی کہ ایک ماہ کی طویل مدت میں بھی وہ معاذ اللہ چھپی ہوئی بات معلوم نہ کر سکے۔

غیبی قوتِ ادراک کی ایک اور حیرت انگیز کہانی

انہی خان صاحب نے ارواح ثلاثہ میں شاہ عبدالقادر صاحب کی غیب دانی کا ایک اور واقعہ نقل کیا ہے.....لکھا ہے کہ

اکبری مسجد میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے اسکے دونوں طرف بازار تھا اور اس مسجد میں دونوں طرف حجرے اور سہ دریاں تھیں ان میں ایک سہ دری میں ایک پتھر لے کر لگا کر بیٹھا کرتے تھے۔

بازار آنے جانے والے آپ کو سلام کیا کرتے تھے سو اگر سنی سلام کرتا تو آپ سیدھے ہاتھ سے جواب دیتے اور شیعہ سلام کرتا اُلٹے ہاتھ سے جواب دیتے تھے۔ یہ بیان کر کے مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا میں کیا کہہ دوں المومن ینظر بنور اللہ یعنی مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ (ارواح ثلثہ ص ۵۵)

'المومن ینظر بنور اللہ' کا فقرہ بتا رہا ہے کہ شیعہ اور سنی کے درمیان یہ امتیاز کسی ظاہری علامت کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اسی غیبی قوتِ ادراک کے ذریعے تھا جس کی تعبیر مولوی عبدالقیوم صاحب نے 'نورِ الٰہی' سے کی ہے۔

حکایت واقعہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان کے ہر روز کا معمول تھا اور جب تک سہ دری میں بیٹھے رہتے تھے کشف احوال کا یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے حق میں تو کشفِ احوال کی ایک دائمی اور ہمہ وقتی قوت تسلیم کر لی گئی ہے جو قوت بینائی کی طرح انہیں ہر وقت حاصل رہا کرتی تھی لیکن شرم سے منہ چھپا لیجیے کہ نبی مرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں کشفِ احوال یہی دائمی اور ہمہ وقتی قوت تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات کا عقیدۂ توحید مجروح ہو جاتا ہے اور شرک کے غم میں یہ شب و روز سلگتے رہتے ہیں۔

کشف ہی کشف

انہی شاہ عبدالقادر صاحب کی غیب دانی سے متعلق تھانوی صاحب کی کتاب اشرفیہ التنبیہ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے لکھا ہے کہ

مولوی فضل حق صاحب' شاہ عبدالقادر صاحب سے حدیث پڑھتے تھے۔شاہ صاحب کشف تھےاوراس خاندان میں آپ کا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا جس روز مولوی فضل حق صاحب کسی ملازم پر کتابیں رکھوا کر لے جاتے تو پہنچنے سے پہلے خود لے لیتے شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہو جاتا تھا اس روز مولوی صاحب کو سبق نہیں پڑھاتے تھے اور جب خود لے جاتے تو حضرت کو کشف ہو جاتا اور اس روز سبق پڑھاتے تھے جامع کہتا ہے کہ

پیش اہل دل نگہدار بدل

تانبا شد از گمان بد محل

اب ذرا اسی کے ساتھ اسی خاندان شاہ اسماعیل دہلوی کی یہ عبارت بھی پڑھ لیجئے عقیدۂ عمل کا تصادم واضح طور پر محسوس ہو جائے گا۔

یہ سب جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں کوئی کشف کا دعویٰ رکھتا ہے کوئی استخارہ کے عمل سکھاتا ہے۔یہ سب جھوٹے ہیں اور دغاباز۔

(تقویۃ الایمان ص ۲۳)

علمائے دیوبند کے معتمد شاہ عبدالقادر صاحب بھی ہیں اور شاہ اسماعیل دہلوی بھی! اب اس امر کا فیصلہ انہی کے ذمے ہے کہ ان دونوں میں کون جھوٹا ہے اور کون سچا ہے؟

ہمیں تو یہاں صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ بات ایک دن کی نہیں تھی بلکہ ہر روز انہیں کشف ہوتا تھا اور کتنی ہی دیواروں کے حجابات کے اوٹ سے وہ ہر روز دیکھ لیا کرتے تھے کہ کتاب کون لے آ رہا ہے اور کس نے کہاں سے اپنے ہاتھ میں لی ہے لیکن یہاں ہمیں اتنی بات کہنے کی اجازت دی جائے کہ اپنے نبی کے حق میں علمائے دیوبند کے دلوں کی کدورت یہیں سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے گھر کے بزرگوں کی نگاہوں پر تو دیواروں کا حجاب وہ حائل نہیں مانتے لیکن رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں آج تک وہ اصرار کر رہے ہیں کہ انہیں دیوار کے پیچھے کا علم نہیں تھا جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اس کا حوالہ آپ کی نظر سے گزر چکا ہے۔

حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی کا قصہ

قبر میں دل لگی بازی کا ایک واقعہ

یہی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی جماعت کے ایک بزرگ حافظ محمد ضامن کی قبر کے متعلق ایک نہایت دلچسپ قصہ بیان کرتے ہیں...... لکھا ہے کہ ایک صاحبِ کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے بھائی یہ کون بزرگ ہیں؟ بڑے دل لگی باز ہیں جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر پڑھیو، یہاں زندوں پر پڑھنے آئے ہو۔ (ارواح ثلثہ، ص ۲۰۳)

سید احمد صاحب بریلوی کا قصہ

سید احمد بریلوی کو نیند سے جگانا

تبلیغی جماعت کے سربراہ مولوی ابوالحسن علی صاحب ندوی نے سید احمد صاحب بریلوی کے متعلق اپنی کتاب 'سیرت سید احمد شہید' میں ان کا ایک عجیب قصہ نقل کیا ہے...... لکھا ہے کہ

ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں مگر عشاء کی نماز کے بعد ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا آپ نے دیکھا کہ آپ کی داہنی طرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ سید احمد جلد اٹھ اور غسل کر۔

سید صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجود یکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرزند آج شبِ قدر ہے یادِ الٰہی میں مشغول ہو اور دعا و مناجات کرو۔ اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ (سیرت سید احمد شہید، ص ۸۴)

حد ہوگئی اکابر پرستی کی کہ مولوی ابوالحسن علی ندوی جیسا ترقی پسند مصنف جس نے ساری زندگی قدامت پسند مسلمانوں کے عقائد و روایات کا مذاق اُڑایا ہے اسے بھی اپنے مورثِ اعلیٰ کی فضیلت و برتری ثابت کرنے کیلئے مشرکانہ عقیدوں کا سہارا لینا پڑا۔

صحت واقعہ کی تقدیر پر ان سے کوئی بھی یہ سوال کر سکتا ہے کہ عالمِ بیداری میں حضورِ پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا عقیدہ کیا غیب دانی اور اختیار و تصرف کی اس قوت کو ثابت نہیں کرتا جسے کسی مخلوق میں تسلیم کرنا مولوی اسماعیل دہلوی نے مشرک قرار دیا ہے۔

پس حضور کو اگر علمِ غیب نہیں تھا تو انہیں کیونکر معلوم ہوا کہ سید احمد بریلوی میرا فرزند ہے اور وہ فلاں مقام پر سو رہا ہے۔ پھر حضورِ انور میں اگر تصرف کی قدرت نہیں تھی تو اپنے حریم اقدس سے فرزندوں کی طرح کیونکر باہر تشریف لائے اور اس پیکر میں ظہور فرمایا کہ دیکھنے والے نے ماتھے کی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور پہچان لیا اور یہ سارا واقعہ چشم زدن میں نہیں ختم ہوگیا کہ اسے واہمہ کا تصرف قرار دیا جاسکے بلکہ اتنی دیر تک تشریف فرما رہے کہ سید صاحب غسل سے فارغ ہوگئے۔

یہ سارے اختیارات وتصرفات وہ ہیں کہ بعطائے الٰہی بھی حضور کی جانب ان کی نسبت کی جائے جب بھی دیوبندی مذہب میں یہ شرک صریح ہے لیکن یہ سارا شرک صرف اس جذبے میں گوارا کرلیا گیا ہے کہ قبیلے کے 'شیخ' کی بڑائی کسی طرح ثابت ہوجائے بہ نفس نفیس خود حضورِ انور جس کا ہاتھ پکڑ کر نیند سے اُٹھائیں اندازہ لگالیجئے کہ اس کے منصب کی برتری کا کیا عالم ہوگا۔

ایک نہایت لرزہ خیز کہانی

مولوی اسماعیل نے انہی سید احمد بریلوی کی عظمت و برتری ثابت کرنے کرنے کیلئے اپنی کتاب 'صراط مستقیم' میں ایک لرزہ خیز قصہ بیان کیا ہے، جس کا اردو میں ترجمہ یہ ہے..... حضرت غوث الثقلین اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی روحوں کے درمیان ایک مہینے تک اس بات پر جھگڑا چلتا رہا کہ دونوں میں کون سید احمد بریلوی کو روحانی تربیت کیلئے اپنی کفالت میں لے۔ دونوں بزرگوں کی روحوں میں سے ہر روح کا اصرار تھا کہ وہ تنہا میری نگرانی میں عرفان وسلوک کی منزل طے کریں۔

بالآخر ایک مہینے کی آویزش کے بعد دونوں میں مصالحت ہوئی کہ مشترک طور پر یہ خدمت انجام دیں۔ چنانچہ ایک دن دونوں حضرات کی روحیں ان پر جلوہ گر ہوئیں اور پوری قوت کے ساتھ تھوڑی دیر تک ان پر عرفان توجہ کا عکس ڈالا یہاں تک کہ اتنے ہی وقفہ میں انہیں دونوں سلسلوں کی نسبتیں حاصل ہوگئیں۔ (صراط مستقیم فارسی ص ۱۶۶)

دیوبندی مذہب کے پیش نظر اس قصے کی صحت تسلیم کرلینے کی صورت میں کئی سوالات ذہن کی سطح پر اُبھرتے ہیں۔ سوال اولاً یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تصریح کے مطابق جب خدا کے بعطائے الٰہی بھی کسی میں غیب دانی کی قدرت نہیں ہے تو حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ نقشبند کی ارواح طیبات کو کیونکر ہوگئی کہ ہندوستان میں سید احمد بریلوی نامی ایک شخص خدا کا بندہ ہے جس کی روحانی تربیت کا اعزاز اس قابل ہے کہ اس کی طرف سبقت کی جائے۔

ثانیاً یہ کہ واقعہ ھذا عالم شہادت کا نہیں بلکہ سرتاسر عالم غیب کا ہے اس لئے مولوی اسماعیل دہلوی جو اس واقعہ کے خود راوی ہیں انہیں کیونکر علم ہوا کہ سید احمد بریلوی کی کفالت وتربیت کیلئے ان دونوں بزرگوں کی روحیں ایک مہینے تک آپس میں جھگڑتی رہیں اور اس بات پر مصالحت ہوئی کہ دونوں مشترک طور پر اپنی کفالت پر رہیں۔

ثالثاً یہ کہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی تقویۃ الایمان کے مطابق جب خدا کے سوا سارے انبیاء و اولیاء بھی عاجز بلا اختیار بندے ہیں تو وفات کے بعد حضرت غوث الثقلین اور خواجہ نقشبند کا یہ عظیم تصرف کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے وہ دونوں بزرگ بغداد سے سیدھے ہندوستان کے اس قصبے میں تشریف لائے جہاں سید احمد صاحب بریلوی مقیم تھے اور ان کے حجرے میں پہنچ کر چشم زدن میں انہیں باطنی وعرفانی دولت سے مالا مال کر دیا۔

نیز واقعہ کے اندازِ بیان سے پتا چلتا ہے کہ یہ باتیں خواب کی نہیں بلکہ عالمِ بیداری کی ہیں اس لئے اب واقعہ کی تصدیق اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ تقویۃ الایمان کے موقف سے ہٹ کر اولیائے کرام کے حق میں غیبی ادراک اور قدرت واختیار کے عقیدے کی صحت نہ تسلیم کر لی جائے۔

دیوبندی علماء کی مذہبی فریب کاریوں کا یہ تماشا اب پس پردہ نہیں ہے کہ انکار کی گنجائش ہو اب تو ان کا یہ ایمان سوز کردار وقت کا اشتہار بن چکا ہے کہ ایک جگہ وہ انبیاء و اولیاء کے قرار واقعی فضائل وکمالات کا یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ انہیں تسلیم کر لینے سے عقیدۂ توحید کی سلامتی پر ضرب پڑتی ہے اور دوسری جگہ اس ضرب کو وہ اپنے گھر کے بزرگوں کی برتری ثابت کرنے کیلئے پوری بشاشتِ قلب کے ساتھ گوارا کر لیتے ہیں۔

مولوی اسماعیل دہلوی کا قصہ

غیب دانی اور شفا بخشی کا دعویٰ

مصنف تقویۃ الایمان مولوی اسماعیل دہلوی کے کشف اور باطنی تصرفات سے متعلق ارواح ثلاثہ میں امیر شاہ خان نے ایک نہایت دلچسپ قصہ نقل کیا ہے...... لکھتے ہیں کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب کے صاحبزادے حافظ عبد العزیز ایک مرتبہ اپنے بچپن میں نہایت سخت بیمار ہوئے اور اطباء نے جواب دے دیا۔

ان کے والدین کو اس وجہ سے تشویش تھی اتفاق سے میاں جی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے ہیں اور میں مسجد کے اندر ہوں اور میرے پاس عبد العزیز بیٹھا ہے اتفاق سے اسے پیشاب کی ضرورت ہوئی اور میں اسے پیشاب کرانے لے چلا۔

آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے بے تکلفی تھی اسلئے میں اسے مولوی اسماعیل کی طرف لے کر گیا۔ جب عبد العزیز مولوی اسماعیل صاحب کے سامنے پہنچا تو انہوں نے تین مرتبہ یا شافی پڑھ کر اس پر دم کر دیا۔ اس خواب کے بعد آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنی بی بی کو جگایا اور کہا کہ عبد العزیز اچھا ہو گیا ہے میں نے اس وقت ایسا ایسا خواب دیکھا ہے صبح ہوئی تو میاں عبد العزیز بالکل تندرست تھے۔

(ارواح ثلاثہ، ص ۸۸)

اب اسے نیرنگی وقت ہی کہئے کہ جو شخص ساری زندگی انبیاء کے علم غیب کے خلاف جنگ کرتا رہا اسی کو مرنے کے بعد غیب داں بنا دیا گیا کیونکہ ان حضرات کے تئیں انہیں اگر علم غیب نہیں تھا تو انہیں خواب میں کیونکر معلوم ہوا کہ عبد العزیز بیمار ہے اسے دم کیا جائے۔

اور خواب دیکھنے والے کا جذبۂ عقیدت بھی کتنا بالیقیں ہے کہ آنکھ کھلتے ہی بی بی کو جگا کر یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ بیٹا اچھا ہو گیا اور سچ مچ صبح تک بیٹا اچھا بھی ہو گیا۔

اسے کہتے ہیں غیب دانی اور شفا بخشی کا عقیدہ جو ان حضرات کے یہاں انبیاء و اولیاء کے حق میں تو شرک ہے لیکن مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے حق میں عین اسلام بن گیا۔

مولوی محمود الحسن صاحب کا قصہ

مذہب سے انحراف کی ایک شرمناک کہانی

دیوبندی جماعت کے شیخ الحدیث مولوی اصغر حسین صاحب نے اپنی کتاب 'حیات شیخ الہند' میں مولوی محمود الحسن صاحب کے متعلق ایک نہایت عجیب وغریب واقعہ نقل کیا ہے کہ

۱۳۲۲ھ کے اخیر میں دیوبند میں شدید طاعون ہوا۔ چند طلبہ بھی مبتلا ہوئے۔ ایک فارغ التحصیل طالب علم محمد صالح ولایتی جو صبح وشام میں سندِ فراغت لے کر وطن رخصت ہونے والے اس مرض میں مبتلا ہوئے اور حالت آخری ہوگئی۔

وفات سے کسی قدر پہل انہوں نے ایسی گفتگو شروع کی کہ گویا شیطان سے مناظرہ کررہے ہیں اس کے دلائل کو توڑتے ہوئے اپنے استدلال پیش کرتے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے مناظرہ میں شیطان کو بخوبی شکست دے دی۔ پھر کہنے لگے افسوس اس جگہ کوئی ایسا خدا کا بندہ نہیں ہے جو مجھ سے اس خبیث کو دفع کرے۔ یہ کہتے کہتے دفعۃً بول اٹھے کہ واہ واہ سبحان اللہ دیکھو میرے استاد حضرت مولانا محمود الحسن صاحب تشریف لائے۔ دیکھو وہ شیطان بھاگا۔ ارے خبیث کہاں جاتا ہے؟ ایک ساعت کے بعد طالب علم کا انتقال ہوگیا۔

حضرت مولانا اس واقعہ کے وقت وہاں موجود نہ تھے مگر روحانی تصرف سے امداد فرمائی۔ (حیات شیخ الہند ص ۱۹۷)

اخیر میں اتنا اضافہ کرکے 'حضرت مولانا اس واقعہ کے وقت وہاں موجود نہ تھے مگر روحانی تصرف سے امداد فرمائی' بالکل واضح کردیا کہ اس طالبِ علم کو جو واقعہ پیش آیا وہ اس کے واہمہ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ فی الواقع مولوی محمود الحسن صاحب اس کی امداد کیلئے غیبی طور پر وہاں پہنچ گئے تھے۔

مگر حیرت یہ ہے کہ دیوبند کی عقل فتنہ پرواز یہاں کوئی سوال نہیں اٹھاتی کہ جب وہ وہاں موجود نہیں تھے تو انہیں کیونکر خبر ہوگئی کہ ایک طالبِ علم سکرات کے عالم میں شیطان سے مناظرہ کررہا ہے اور خبر ہوئی تو بجلی کی طرح انہیں قوتِ پرواز کہاں سے مل گئی چشم زدن میں وہ آموجود ہوئے۔

دراصل کلیجہ پھٹنے کی بات یہی ہے کہ یہاں غیب دانی بھی ہے اور قدرت واختیار بھی! لیکن چونکہ اپنے مولا کی بات ہے اس لئے نہ یہاں عقیدۂ توحید مجروح ہوا اور نہ کتاب وسنت سے کوئی تصادم لازم آیا۔

لیکن اسی طرح کا عقیدہ اگر ہم سرکار غوث الوریٰ یا خواجہ غریب نواز یا کسی نبی با ولی کے حق میں روا رکھ لیں تو دیوبند کے یہ موحدین ہماری جان وایمان کے درپے ہوجاتے ہیں۔

جناب مولوی عبدالرشید صاحب رانی ساگری کے واقعات

جناب مولوی عبد الرشید صاحب رانی ساگری دیوبندی جماعت کے ایک علاقائی پیر ہیں۔ امارت شرعیہ پھلواری شریف جس کے امیر مولوی شاہ نعمت اللہ صاحب رحمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند ہیں۔ اس کے ترجمان اخبار نقیب نے "مصلح امت نمبر" کے نام سے مولوی عبدالرشید صاحب رانی ساگری کے حالات میں ایک ضخیم نمبر شائع کیا ہے۔ ذیل کے جملہ واقعات اسی نمبر سے ماخوذ ہیں۔

اپنے مذہبی معتقدات کا ایک دردناک قتل

مولوی شمس تبریز خان صاحب قاسمی کے حوالے سے مولوی عبد الرشید صاحب رانی ساگری کی عام غیب دانی کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ مجلس میں اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی شخص مولانا سے کچھ سوالات کرنے والا ہوتا مگر آپ سوال سے پہلے ہی جواب دے دیتے۔ ایک بار ایک نوجوان سے صبح کے وقت ملے اور بلا کچھ معلوم کیے ہوئے سلسلہ گفتگو میں انہیں نصیحت کی کہ نماز صبح ہرگز قضا نہ ہونی چاہئے وہ سمجھ گئے کہ آج نماز قضا ہوئی۔ یہ ارشاد کشفی اسی کی طرف ہے۔

اسی طرح کلٹی (بردوان) کی مجلس میں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عورتیں آئیں گی پردہ کرائیے۔ چنانچہ دوسرے ہی لمحہ عورتوں کی دستک سنائی دی۔ (نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۵)

دل کے خطرات پر مطلع ہونے کا معمول تو تھا ہی گزشتہ اور آئندہ کا علم بھی انہیں حاصل تھا جبھی تو ایک طرف فوت شدہ نماز صبح کی خبر دی تو دوسری طرف آنے والی عورتوں کا بھی حال بتادیا۔

غیب دانی کے متعلق نیازمندوں کی خوش عقیدگی کا ایک عبرت انگیز قصہ

اب انہی رانی ساگری صاحب کی غیب دانی سے متعلق نیازمندوں کی خوش عقیدگی کا ایک اور قصہ ملاحظہ فرمایئے:۔

مدرسہ رشید العلوم چترا ضلع ہزاری باغ کے صدر مدرس مولوی وصی الدین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نمازِ جمعہ کے بعد حضرت کے حجرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنی چارپائی پر بہت خاموش اور مغموم بیٹھے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضرت آج میں آپ کو بہت مغموم پا رہا ہوں کیا کوئی بات ہوئی ہے؟ اب اس کے بعد کا قصہ خود واقعہ نگار کی زبانی سنئے لکھتے ہیں کہ **حضرت** قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ پاکستان میں دو بہت بڑے حادثے ہوگئے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کا انتقال ہوگیا ہے اور ایک ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوگیا ہے جس میں پاکستان کے کئی ذمہ دار حضرات انتقال فرما گئے۔

مولانا وصی الدین صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اس پر حیرت واستعجاب ہوا کہ آپ کو اخباری دنیا سے بے تعلقی ہے آخر اطلاع کیسے ہوئی ان سے رہا نہ گیا پوچھ ہی لیا کہ حضور آپ کو کس طرح اطلاع پہنچی؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ یہاں اخبار میں خبر ہے دیکھو تو اخبار آیا ہوگا میں نے اس پر کہا کہ اخبار تو ابھی آیا بھی نہیں ہے اور حضرت ابھی تو ڈاک کا وقت بھی نہیں ہوا۔

بہرحال مولانا وصی الدین باہر نکلتے ہیں کہ ڈاکیہ آرہا ہے۔ اس واقعہ میں حضرت کے دو انکشاف ظاہر ہوئے پہلا کشف علامہ شبیر احمد عثمانی کا وصال اور ہوائی جہاز کا حادثہ دوسرا تازہ کشف ڈاکیہ کے اخبار لے کر آنے کا چنانچہ جب دیکھا گیا تو یہ دونوں حادثات جلی سرخیوں سے چھپے ہوئے تھے اس سے پہلے کسی اخبار میں نہ یہ تذکرہ آیا تھا اور نہ اس وقت تک ریڈیو کا عام رواج چترا میں تھا جس کے ذریعے خبر ملتی۔ (نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۱۸)

اس واقعہ میں زاویہ نگاہ کی ایک خاص چیز ملاحظہ فرمایئے۔ واقعہ نگار نے جگہ جگہ اس طرح کے فقرے بڑھائے کہ آپ کو اخباری دنیا سے بے تعلقی ہے آخر اطلاع کیسے ہوئی؟ اخبار تو ابھی آیا بھی نہیں ہے۔ حضرت ابھی تو ڈاک کا وقت بھی نہیں ہوا۔ اس سے پہلے نہ کسی اخبار میں یہ تذکرہ آیا تھا اور نہ اس وقت ریڈیو کا عام رواج چترا میں تھا۔ سارا زورِ قلم اس بات پر صرف کیا ہے کہ کسی طرح ثابت ہوجائے کہ آپ کو علم غیب تھا۔ لیکن یہی دیوبندی علماء جب رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب سے متعلق کسی واقعہ پر بحث کرتے ہیں تو ایک ایک سطر اس کوشش کی آئینہ دار ہوتی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ ثابت کیا جائے کہ حضور کو غیب کا علم نہیں تھا حضرت جبرائیل امین خبر دے گئے۔

اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ

انھی رانی ساگری صاحب کا ایک دلچسپ لطیفہ اور سنئے۔ موصوف کے ایک اور مرید مولوی شہاب الدین رشیدی نقیب کے اسی مصلح امت نمبر میں ایک عجیب وغریب واقعہ کے راوی ہیں...... بیان کرتے ہیں کہ

مجھ سے میرے محترم دوست اور حضرت کے خویش مولانا الحاج اشرف علی صاحب نے بیان فرمایا کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ امیر زادہ نوجوان شخص تھے ان کی زندگی بہت ہی لاابالی پن میں گزری۔ ان کا جب انتقال ہوگیا تو میں ایک دن قبرستان گیا تو اس شخص کو دیکھا کہ قبرستان میں ننگے بیٹھا ہے اور بہت ہی حسرت ویاس کے عالم میں ہے۔ میں جب قریب پہنچا تو اس نے ہمیں دیکھ کر اپنی ستر دونوں ہاتھوں سے چھپالی میں نے اس سے کہا اسی لئے نہ میں تجھے کہتا تھا لیکن تو نے اپنی زندگی لاپرواہی میں گزاردی اور میری باتوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ (نقیب پھلواری کا مصلح امت نمبر ص ۱۹)

اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعہ انہیں کسی مردہ کے ساتھ نہیں بلکہ زندہ کے ساتھ پیش آیا تھا اور عالم برزخ کا نہیں بلکہ عالم دنیا کا ہے اور واقعہ عالم برزخ ہی کا ہے تو ماننا پڑے گا کہ عالم غیب کے ساتھ ان حضرات کا تعلق بالکل گھر اور آنگن کا ہے۔

علم غیب کا کوئی پردہ ان کی نگاہوں پر حائل نہیں ہے جدھر نگاہ اٹھی غیب کی چیزیں خود بخود بے نقاب ہوگئیں۔

انصاف کیجئے! ایک طرف تو اپنے بزرگوں کی قوت انکشاف کا حال بیان کیا جاتا ہے اور دوسری طرف سیدالانبیاء صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حق میں آج تک اصرار کررہے ہیں کہ انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔

کاروبارِ عالم میں تصرف کا واقعہ

کاروبارِ عالم میں ان حضرات کے اقتدار اور خود مختار تصرف کا تماشا دیکھنا چاہتے ہوں تو اس کتاب کا یہ آخری قصہ پڑھئے:۔

انہیں رانی ساگری صاحب کی صاحبزادی ثامنہ خاتون کی یادداشت سے نقیب کے اسی مصلح امت نمبر میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

موصوفہ بیان کرتی ہیں کہ جب ہمارا گھر بننے لگا تو والد صاحب قبلہ کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے پاخانہ میں ہاتھ لگا وہ زمانہ برسات کا تھا لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی دھان کی روپنی ہو چکی تھی، کسان سخت پریشان تھے۔ میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ بارش کیلئے دعا فرما دیجئے۔ فرمایا بارش کیسے ہوگی، اپنا پاخانہ جو بن رہا ہے خراب ہو جائے گا۔

میں نے پوچھا کب تک پاخانہ بن جائے گا؟ بولے دیوار مکمل ہوگئی ہے رات کو چھت کی ڈھلائی ہو جائے گی۔ میں خاموش ہوگئی۔ دو دن بعد خوب زوردار بارش شروع ہوگئی والد صاحب گھر پر ہی تھے میں نے پوچھا بارش ہونے لگی اب تو پاخانے میں نقصان ہوگا فرمانے لگے نہیں بیٹا! اب فائدہ ہوگا۔ میں نے پھر پوچھا تو کیا پاخانے ہی کیلئے باش رُکی ہوئی تھی؟ والد صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا صرف مسکراتے رہے۔ اس وقت والد صاحب تندرست تھے۔ (نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۴)

اس واقعہ کے بیان سے عقیدے کا اظہار مقصود ہے وہ یا تو یہ ہے کہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ بارش ابھی نہیں ہوگی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بارش کیوں رُکی ہوئی ہے؟

یا پھر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کاروبارِ ہستی میں ان کی ذاتی خواہش میں اتنی دخیل اور بااثر تھی کہ اگرچہ زمین کا سینہ تپتا رہا، فصل جلتی رہی اور کاشت کار کی آہیں بابِ رحمت پر سر پٹکتی رہیں لیکن جب تک ان کا پاخانہ تیار نہیں ہو گیا بارش کو چاروناچار رُکنا پڑا 'بارش کیسے ہوگی؟' کا فقرہ بھی واضح طور پر اس رخ کو متعین کرتا ہے کہ انہوں نے جب تک نہیں چاہا بارش نہیں ہوئی۔

اب آپ کی غیرتِ ایمانی اخلاص و وفا کی منزل سے بخیر و عافیت گزر سکتی ہو تو آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ کاروبارِ عالم میں گھر کے بزرگوں کے اثر و رسوخ کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے لیکن خدا کے پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے..... سارا کاروبارِ جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان)

عقیدے کا طغیان تو اپنی جگہ پر ہے الفاظ و بیان کی جارحیت ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ 'سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے' اتنا فقرہ بھی عقیدۂ توحید کا مفاد پورا کرنے کیلئے کافی تھا لیکن 'رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا' اس فقرے کا اضافہ صرف اس جذبۂ تحقیر کے اظہار کیلئے ہے جو ان حضرات کے دلوں میں رسولِ خدا کی طرف سے جاگزیں ہو چکا ہے۔

دیوبندی جماعت کے تین نئے بزرگوں کے واقعات کا اضافہ

قاری فخر الدین صاحب گیاوی جو مولانا حسین احمد صاحب شیخ دیوبند کے مرید اور خلیفہ مجاز ہیں اور جو صوبہ بہار میں دیوبند مذہب کے بہت بڑے مبلغ و پیشوا سمجھے جاتے ہیں انہوں نے 'درس حیات' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو مدنی کتب خانہ مدرسہ قاسمہ گیا سے شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں موصوف نے اپنی جماعت کے تین بزرگوں کے حالاتِ زندگی قلمبند کئے ہیں ان میں سے ایک تو ان کے نانا مولوی عبدالغفار سرحدی ہیں، دوسرے ان کے والد مولوی خیر الدین شاگرد مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی ہیں، تیسرے ان کے استاد اور والد کے دوست مولوی بشارت کریم صاحب ہیں۔ یہ تینوں حضرات اپنے زمانے میں دیوبندی مذہب کے علاقائی رہنما اور سرگرم مبلغ تھے۔

اب آنے والے صفحات میں ترتیب وار تینوں کے وہ واقعات پڑھئے جنہیں صحیح مان لینے کی صورت میں دیوبندی مکتبہ فکر کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے اور ایک انصاف پسند آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب شاید اسی لئے لکھی گئی ہے کہ دیوبندی مذہب کا جھوٹ فاش کیا جائے۔

مولوی عبدالغفار صاحب سرحدی کے واقعات

ایک غیب داں جن کا قصہ

درس حیات کے مصنف نے اپنے نانا مولوی عبدالغفار صاحب کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسانوں کے علاوہ جنات بھی ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور بہت سے اجنہ ان کے حلقہ بگوشوں میں بھی شامل تھے۔

چنانچہ ایک جن طالبِ علم کا قصہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ اس کے ساتھیوں میں اسے ایک لڑکے کو اس کے متعلق کسی طرح سے معلوم ہو گیا کہ وہ جن ہے دوستانہ تعلقات تو پہلے ہی سے تھے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد اب وہ اس کے پیچھے پڑ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں تم میری مالی امداد کر کے دیرینہ دوستی کا حق ادا کرو یہ کام تمہارے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس نے معذرت چاہتے ہوئے جواب دیا کہ ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ میں تمہارے لئے چوری کروں اور مولوی ہو کر میں بھی یہ کام نہیں کروں گا۔

لکھا ہے کہ اس جن کا وہ آخری سال تھا بخاری شریف ختم کر کے جب وہ گھر جانے لگا تو اس کے ساتھی نے اس سے تنہائی میں ملاقات کی اور آبدیدہ ہو کر کہا اب تو تم جا ہی رہے ہو لیکن دم رخصت کم از کم اتنا تو بتادو کہ تم سے اب ملاقات کی صورت کیا ہو گی؟ جواب دیا میں تمہیں چند کلمات بتا دیتا ہوں جب بھی ملاقات کو جی چاہے پڑھ لیا کرنا' میں حاضر ہو جایا کروں گا۔ چنانچہ اس کے چلے جانے کے بعد جب بھی ملاقات کی خواہش ہوتی وہ مذکورہ کلمات پڑھ لیا کرتے اور وہ حاضر ہو جایا کرتا۔

اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سنئے۔ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ بہت مالی پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ لڑکی کی شادی کرنی تھی اور پیسے پاس نہ تھے۔ اس موقعہ پر وہ جن دوست یاد آ گئے۔ ان چند کلمات کا ورد کرنا تھا کہ جن صاحب تشریف لے آئے انہوں نے اپنی پریشانی کا ذکر ان سے کیا۔

انہوں نے کہا اچھا میں آپ کیلئے چوری تو کروں گا نہیں یہ حرام طریقہ میں اختیار نہیں کرسکتا ہاں مگر جائز ذرائع سے کچھ رقم آپ کیلئے مہیا کر کے آپ کی ضرور مدد کروں گا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ دوسرے دن وہ جن صاحب آ کر ان پریشان حال دوست کو معقول رقم دے گئے مگر تاکید کر گئے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ (درس حیات، ج ۱ ص ۶۲)

اس رقم سے انہوں نے نہایت تزک و احتشام اور دھوم دھام سے اپنی بچی کی شادی کی۔ امیرانہ ٹھاٹ باٹ دیکھ کر لوگوں کو سخت حیرت ہوئی اور لوگ سوچنے لگے کہ اچانک اتنی کثیر رقم کہاں سے مل گئی۔ دوسروں کو تو پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی لیکن بیوی ان کے سر ہوگئی ہزار ٹالنا چاہا لیکن بیوی کا اصرار بڑھتا گیا یہاں تک کہ مجبور ہو کر انہیں سارا بھید ظاہر کرنا پڑا۔

اب اس کے بعد کا واقعہ فرط حیرت کے ساتھ سنئے۔ لکھا ہے کہ

اس کا اثر یہ ہوا کہ اب انہوں نے جب بھی وہ کلمات اس اُمید پر پڑھے کہ وہ جن صاحب تشریف لائیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے لیکن کبھی ان کی یہ اُمید پوری نہ ہوسکی اور ان سے جن نے ملاقات کا سلسلہ ختم کردیا۔ (ص ۶۳)

اب ایک واقعہ نظر میں رکھئے اور دوسری طرف دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کا یہ فرمان پڑھئے:۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلعم کو فرمایا کہ لوگوں سے یوں کہہ دیں کہ غیب کی بات سوا اللہ کے کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن۔

(تقویۃ الایمان، ص ۲۲)

یہ مذہب ہے اور وہ واقعہ! اور دونوں ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہیں۔

اب آپ ہی منصفی سے کہئے کہ وہ جن اگر غیب داں نہیں تھا تو گھر کے اندر بیوی کے ساتھ کی جانے والی گفتگو کی اطلاع اسے کیونکر ہوگئی؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اس نے ملاقات کا سلسلہ کیوں ختم کردیا اور توہین علم و دیانت کی نہ مٹنے والی سرخی تو یہ ہے کہ اطلاع و آگہی کا یہ واقعہ کچھ ایک بار کا نہیں تھا کہ اسے حسن اتفاق کا نتیجہ کہہ کر گزر جایئے بلکہ کتاب کی صراحت کے مطابق سینکڑوں میل کی مسافت سے ان کلمات کا ورد کرتے ہیں اسے ہمیشہ خبر ہوجایا کرتی تھی کہ فلاں مقام پر فلاں شخص مجھے یاد کر رہا ہے۔

اب اس کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ اسے ہمہ وقتی غیب دانی کا منصب حاصل تھا۔ بالکل وائرلیس کی طرح ادھر سگنل دیا اور ادھر وصول کرلیا۔

قتال و جدال کے معرکوں میں دو لشکروں کا تصادم تو اکثر پیش آیا ہے لیکن اپنے ہی مذہب کے ساتھ ایسا خونریز تصادم شاید ہی تاریخ میں پیش آیا ہو۔

فیاللعجب! کہ اسی دین و دیانت پر علمائے دیوبند کو غرہ ہے کہ وہ روئے زمین پر عقیدۂ توحید کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔

جماعتی مسلک کا ایک اور خون

اپنی اسی کتاب میں مصنف نے آگے چل کر اپنے نانا کے حق میں خدائی منصب کا ایک صاف و صریح دعویٰ کیا ہے قوسین کی تشریحی اضافے کے ساتھ دعوے کی یہ سرخی ملاحظہ فرمایئے:۔

علوم تکوینیات (انتظاماتِ عالم) سے مولانا کا تعلق۔

اب دریائے حیرت میں ڈوب کر دعوے کے یہ الفاظ پڑھئے:۔

علوم تکوینیہ انتظامیہ سے بھی مولانا کا تعلق تھا اور عالم تکوینیات کے کارکنوں کا مولانا سے ملنا اور مشورہ کرنا اوران سے گہرے روابط اور تعلقات بھی وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ (درس حیات، ص ۸۵)

کیا سمجھے آپ؟ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نانا میاں اس محکمے کے 'آفیسر انچارج' تھے اور ماتحت کارندے آپ کے مشورے کے مطابق عالم کے انتظامات کا کام سنبھالتے تھے اور یہ کچھ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ خود مصنف نے اپنی کتاب میں اس کا دعویٰ کیا ہے...... ارشاد فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عالم کے تمام انتظامات تکوینیہ کیلئے کارندے مقرر ہیں وہی سب کچھ کرتے ہیں۔ وہ اس علم کی اصطلاح میں 'اصحابِ خدمت کہلاتے ہیں'۔ (درس حیات، ص ۸۹)

یہ سوال جو عام طور پر کیا جاتا ہے کہ کیا خدا تمہاری مدد نہیں کرسکتا جو تم انبیاء و اولیاء کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو، اگر صحیح ہے تو ہمیں بھی یہ سوال کرنے کی اجازت دی جائے کہ 'وہی سب کچھ کرتے ہیں' تو پھر خدا کیا کرتا ہے؟ کیا وہ اکیلا عالم کا انتظام نہیں کرسکتا جو اس نے انسانوں میں سے جگہ جگہ اپنے کارندے تقرر فرمائے ہیں۔ ضمناً یہ بات نکل آئی ورنہ کہنا یہ ہے کہ ایک طرف 'نانا میاں' کا یہ تکوینی اور انتظامی اختیار ملاحظہ فرمایئے اور دوسری طرف تقویۃ الایمان کا یہ فرمان پڑھئے۔ توحید پرستی اور خدا پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

اللہ صاحب کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہ سمجھے کہ بڑے بڑے کام تو آپ کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام اور نوکروں چاکروں کے حوالے کردیتے ہیں سو لوگوں کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں ان کی التجا کرنی ضرور پڑتی ہے۔ سو اللہ کے یہاں کا کارخانہ یوں نہیں ہے۔ (ص ۳۶)

یہ ہے عقیدہ وہ ہے عمل! اور دونوں کے درمیان جو مشرق و مغرب کا تضاد ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ یہ تضاد کیونکر اُٹھے گا؟ اسے تو اصحاب معاملہ جانیں' ہمیں تو اس وقت انہیں کارندوں میں سے ایک کارندے کا قصہ سنانا ہے جسے مصنف نے یہ ظاہر کرنے کیلئے بیان کیا ہے کہ اس طبقے کے ساتھ 'نانا میاں' کا تعلق کتنا گہرا اور رازدارانہ تھا۔ قصے کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

مولانا عبدالرافع صاحب مرحوم (مصنف کے خالو) کا بیان ہے کہ مولانا (یعنی نانا میاں) کے گھر کا سودا میں ہی لایا کرتا تھا۔ سبزی ترکاری منگوانی ہوتی تو مولانا ایک خاص کنجڑے کا پتا بتلاتے کہ وہیں سے لینا۔ اس کے یہاں اچھی ہو یا بری اسی کے یہاں سے لینا۔ (درس حیات، ص ۸۶)

اب پڑھنے کی چیز یہی ہے کہ وہ کنجڑا کون تھا اور اس میں کیا خصوصیت تھی۔ لکھا ہے کہ مولانا عبدالرافع صاحب کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا کہ گیا کے انتظامی امور تو آج کل بہت خراب ہے۔ آج کل یہاں کا صاحبِ خدمت کون ہے؟ مولانا خفا ہوئے کہ اس کو یہ بیماری ہے کہ بے فائدہ باتیں پوچھا کرتا ہے مگر میں بہت چڑھا تھا، بار بار اصرار کرتا ہی رہا کہ بتلا دیجے۔ آخر مجبور ہوکر فرمایا کہ وہی کنجڑا ہے جس کے یہاں سے ترکاری لانے کیلئے تم کو تاکید کرتا رہتا ہوں اور تم ہمیشہ مجھ سے اس کے بارے میں حجت کرتے رہتے ہو۔ میں یہ سن کر حیران رہ گیا کہ اللہ غنی! وہ کنجڑا اتنے درجہ والا ہے! (درس حیات، ص ۸۹)

مجھے اس واقعہ کے ضمن میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ عالم کے انتظامات اور تکوینی اختیارات جب خدا ہی نے بنی نوع انسان میں سے اپنے چند کارندوں کے سپرد کردیے ہیں تو اب انہیں کارساز وحاجت روا سمجھنے پر شرک کا الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے یہ بغاوت نہیں بلکہ عین وفاداری ہے کہ مالک کی طرف سے مقرر کیے ہوئے کارندوں کو ان کی منصبی حیثیت کے ساتھ عقیدۃً اور عملاً دونوں طرح تسلیم کیا جائے، کیونکہ جس کے ہاتھ میں اُمور کا انتظام و انصرام ہوتا ہے اپنی کار برآری اور عقدہ کشائی کیلئے اس کی طرف رجوع کرنا دین ودیانت کا بھی تقاضا ہے اور عقل وفطرت کا بھی!

اس واقعے میں اپنے مسلک سے انحراف اپنی جگہ پر ہے لیکن سب سے بڑا ماتم تو دل کی اس شقاوت کا ہے کہ اپنے 'نانا کا تقرب' اور اقتدار ثابت کرنے کیلئے تو ایک کنجڑے تک کو کاروبار عالم میں دخیل مان لیا گیا لیکن 'حسین کے نانا' کے حق میں عقیدے کی جو زبان استعمال کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

☆ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔' (تقویۃ الایمان، ص ۴۲)

☆ سارا کاروبار جہاں کا اللہ کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان، ص ۵۸)

مولوی خیر الدین صاحب کے واقعات

اولاد کی لالچ میں عقیدۂ شرک سے مصالحت

درس حیات کے مصنف اپنے والد کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ابتداء میں (والد کی) کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی کئی اولاد ہوئی مگر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ خوبی قسمت سے ایک گہرے ملاقاتی عالم پنجابی جو بہت بڑے عامل بھی تھے، گیا تشریف لائے۔ مولانا نے اولاد زندہ نہ رہنے کا حال ان سے کہا۔ انہوں نے کہا ایک عمل ہے اس کو کیجئے اِن شاء اللہ اولادِ نرینہ ہوگی اور زندہ رہے گی۔ جب حمل کو چوتھا مہینہ ہو تو حاملہ کے پیٹ پر اپنی اُنگلی سے بغیر روشنائی کے محمد لکھ دیجئے اور پکار کر کہئے 'میں نے تیرا نام محمد رکھا' اور جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھئے چنانچہ اس عمل کے بعد سب سے پہلی اولاد جو پیدا ہو کر زندہ رہی وہ میں (قاری فخر الدین مصنف کتاب) ہوں۔ (درس حیات، ص ۱۹۶)

غائب از نظر کو خطاب اور ندا دیوبندی مذہب میں شرک ہے لیکن اولاد کی لالچ میں یہاں کوئی اُلجھن نہیں پیش آئی کہ 'میں نے تیرا نام محمد رکھا' میں غائب کو خطاب کیونکر درست ہے۔

اور سب سے بڑا قلق تو اس احسان فراموشی کا ہے کہ جس اعتقاد کی بدولت زندگی جیسی عظیم نعمت میسر آئی اسی کو غلط اور شرک ثابت کرتے ہوئے ذرا کفرانِ نعمت کا خیال ان حضرات کو نہیں آتا اور واقعہ سر سے گزر جانے کے باوجود انہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ جب 'اسم' کا تصرف یہ ہے کہ وہ حیات بخش ثابت ہوا تو 'مسمّٰی' کے تصرفات کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟

تصرف وغیب دانی کا بے مثال واقعہ

درس حیات کے مصنف نے تحصیل علم کے سلسلے میں اپنے والد کا ایک سفرنامہ نقل کیا ہے واقعات کے راوی خود مصنف کے والد ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے چند رفقاء کے ساتھ تحصیل علم کیلئے اپنے گھر سے نکلے اور کئی دن تک شبانہ روز چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم دوپہر کو ایک شہر میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ کرنال ہے میں نے دریافت کیا کہ سب سے پہلے ظہر کی نماز کس مسجد میں ہوتی ہے، اس مسجد میں جا کر نمازِ ظہر با جماعت ادا کی۔ نماز کے بعد مسجد سے نکلا کہ جلدی شہر سے نکلوں تا کہ راستہ کھوٹا نہ ہو۔

مسجد سے لگے ہوئے برآمدہ میں ایک نابینا حافظ صاحب بیٹھے تھے میں جب ان کے قریب سے گزرا تو انہوں نے کہا، خیرالدین السلام علیکم! میرے پاس آؤ۔

میں نے یہ خیال کر کے فضول باتوں میں یہ میرا وقت ضائع کریں گے ان کی اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور سرسری جواب دیتے ہوئے تیزی سے نکل گیا۔ انہوں نے اپنے چند شاگردوں کو میرے پیچھے دوڑایا کہ پکڑ لے آؤ مگر وہ مجھ کو پکڑ نہ سکے میں سب سے قوی تھا سب کو جھٹک کر دور پھینک دیا اور آگے بڑھتا رہا۔ (درس حیات، ص ۱۵۵)

یہاں تک کہ میں شہر پناہ کے پھاٹک سے جیسے ہی باہر نکلا اچانک زمین نے میرے قدم تھام لئے۔ بہت کوشش کی لیکن قدم ذرا بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ میرے ساتھیوں نے بھی مل کر بہت زور لگایا لیکن وہ بھی میرے قدموں کو زمین کی گرفت سے آزاد نہیں کرا سکے یہاں تک کہ مجبور ہو کر میں شہر کی طرف واپس لوٹ آیا اور وہیں سے اپنے ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔

شہر میں آنے کے بعد مجھ کو خیال ہوا کہ وہ نابینا حافظ جی کون تھے جنہوں نے باوجود ناواقف، اجنبی اور نابینا ہونے کے مجھ کو میرا نام لے کر پکارا، چلوں ان سے تحقیق حال کروں۔ میں جب ان کے پاس پہنچا تو وہ زور سے ہنسے اور کہا آخر آ گئے! بہت جان چھڑا کے بھاگے تھے۔ میں نے ان سے کہا ان باتوں کو چھوڑیئے۔ آپ یہ بتلایئے کہ آپ نے مجھ کو کیسے پہچانا اور میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ تمہارا نام؟ مجھ کو تو تمہارا حال معلوم ہے کہ کس غرض سے نکلو ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جس طرح تم ادھر رو کے گئے ہو ادھر نہیں رو کے جاؤ گے؟ تمہارے علم کا ایک حصہ اس شہر میں مقدر ہے جب تک تم اس کو حاصل نہیں کرو گے اس شہر سے نکل نہیں سکتے۔ (ص ۱۵۶)

اس کہانی میں نابینا حافظ کا کردار نہایت واضح طور پر دیوبندی مذہب کو جھٹلا رہا ہے کیونکہ کسی نابینا شخص کا صرف قدموں کی آہٹ پا کر ایک اجنبی آدمی کو پہچان لینا اور اس کا نام لیکر پکارنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ نام ہی نہیں مجھے تو تمہارا حال اور مقصدِ سفر تک معلوم ہے پھر تقدیر کا یہ نوشتہ بتانا کہ اس شہر میں تمہارے لئے علم کا ایک حصہ مقدر ہے اور اس شہر سے اس وقت تک تم نہیں نکل سکتے جب تک کہ اسے حاصل نہ کر لو۔ یہ سارے اُمور وہ ہیں جنہیں دیوبندی مذہب میں صرف خدا کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور بڑے بڑے بندے کے حق میں اس طرح کی باتوں کے اعتقاد کو شرک جلی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے کہ دنیا میں قاتلوں کی کمی نہیں ہے لیکن علمائے دیوبند پر اپنے مذہبی اصولوں کے قتل کا الزام تاریخ کا بدترین الزام ہے۔

تصرف وغیب دانی کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ

مصنف نے اپنی کتاب میں اپنے والد کے ایک سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک بار اپنے پیرومرشد سے ملاقات کیلئے وہ سوات جارہے تھے جو سندھ کے اطراف میں واقع ہے۔ درمیان میں پہاڑوں اور صحراؤں کا ایک طویل سلسلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ چلتے چلتے جب وہ ایک پہاڑ کی گھاٹی میں پہنچے تو وہاں کا راستہ اتنا تنگ اور دشوار گزار تھا کہ گدھے کی سواری کے بغیر اسے عبور کرنا ناممکن تھا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود مسافر کی زبانی سنئے...... لکھا ہے کہ

میں گدھے پر سوار تھوڑا ہی آگے بڑھا ہوں کہ ایک درہ میں سے ڈاکوؤں کا ایک گروہ نکلا اور اس نے مجھ کو بہت تنگ کیا۔ میرے پاس جو کچھ تھا سب رکھوالیا اور اس کے بعد جان کی باری تھی۔ رحم کا کوئی شائبہ ان کے اندر نہ تھا۔ میں نے پریشانی کے عالم میں سر جھکالیا اور عمل برزخ 'تصور شیخ' کا عمل کیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہی ظالم ڈاکو سراپا رحم وکرم بنے ہوئے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ کوئی قدم چومتا ہے کوئی ہاتھ چومتا ہے۔ (درس حیات، ص ۱۷۲)

اس کے بعد لکھا ہے کہ انہیں لوگوں میں ڈاکوؤں کا سردار بھی تھا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور میری بڑی خاطر مدارت کی۔ وہ لوگ بار بار مجھ سے معافی مانگتے تھے اور اقرار لیتے تھے کہ میں نے انہیں معاف کردیا۔ میں نے حیرانی کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ پہلے تو تم لوگوں نے میرے ساتھ وہ معاملہ کیا اور اب اچانک کیا بات ہوگئی کہ تم لوگ میرے حال پر اس قدر مہربان ہوگئے۔

ان لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت! ہم نے آپ کو پہچانا نہ تھا۔ جب آپ آنکھ بند کرکے سر جھکائے بیٹھے تھے اس وقت ہم نے آپ کو غور سے دیکھا تو پہچانا کہ آپ تو حضرت میاں صاحب ہیں۔ (درس حیات، ص ۱۷۳)

اب اس کے بعد بیان کرتے ہیں...... بیان نہیں کرتے دیوبندی مکتبہ فکر کے لٹریچر میں آگ لگاتے ہیں۔

اب میری سمجھ میں آیا کہ تصورِ شیخ کی برکت سے حضرت کی توجہ خصوصی مبذول ہوکر میری صورت حضرت پیرومرشد کی صورت سے تبدیل ہوگئی جس کی مجھ کو بھی خبر نہ تھی اور ان ڈاکوؤں کے کہنے سے یہ عقدہ کھلا۔ (درس حیات، ص ۱۷۳)

یہاں تک تو راستے کا حال بیان ہوا اب پیر صاحب کے دربار کا قصہ سنئے اور غیبی قوتِ ادراک کی ایک اور شان دیکھئے۔ لکھا ہے کہ حضرت نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ بندہ خدا! آنا ہی تھا تو مجھ کو اطلاع کردیتے میں ڈاکوؤں کے سردار کو خبر کردیتا تو پھر کوئی خطرہ پیش نہ آتا۔ یہ راستہ بہت خطرناک ہے اللہ کا فضل ہوا کہ بچ کر چلے آئے۔ (ص ۱۷۴)

اب اپنے حضرت کی غیب دانی کا ایک اور اعتراف ملاحظہ فرمایئے۔ بیان کرتے ہیں کہ

(حضرت) دیر سے منتظر بیٹھے تھے اور میرے لئے کھچڑی پکوا کر رکھی تھی، چونکہ اس وقت میرے معدہ میں کچھ گڑبڑ تھی حالانکہ میں نے اس کی کوئی اطلاع نہیں کی تھی۔ بڑی شفقت سے مجھ کو کھچڑی کھلائی۔ (ص ۱۷۴)

غور فرمایئے! اس ایک واقعہ میں اپنے حضرت کے متعلق غیب دانی اور قوت تصرف کے کتنے دعوے کیے گئے ہیں:۔

پہلا دعویٰ تو یہی ہے کہ پہاڑ کی گھاٹی میں میلوں کی مسافت سے تصور کی خاموش زبان کا استغاثہ انہوں نے سن لیا اور وہیں سے بیٹھے بیٹھے اپنی صورت بھی مرید کی صورت پر چسپاں کردی اور یہ اس وقت تک چسپاں رہی جب تک کہ مرید اپنے پیر کے گھر تک نہیں پہنچ گیا۔

دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ پہاڑ کی گھاٹی میں مرید کو جو حادثہ پیش آیا غیبی طور پر اس کی جملہ تفصیلات پیر صاحب کو معلوم ہو گئیں جبھی تو پہنچتے ہی انہوں نے فرمایا 'بندہ خدا! آنا ہی تھا تو مجھ کو اطلاع کر دیتے میں ڈاکوؤں کے سردار کو خبر کر دیتا تو پھر کوئی خطرہ پیش نہ آتا'۔

تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ اپنے غیبی علم کے ذریعے پیر صاحب کو اس بات کی بھی خبر ہو گئی کہ آنے والے مرید کا معدہ خراب ہو گیا ہے اس لئے پہلے ہی سے کھچڑی پکوا کر تیار کر رکھی تھی۔

سوچتا ہوں تو آنکھوں میں خون تیرنے لگتا ہے کہ یہ حضرات اپنے گھر کے بزرگوں کے متعلق جو کچھ بیان کرتے ہیں اگر یہی امر واقعہ ہے اور یہی ایمانی حقیقتوں کی صحیح تعبیر ہے تو پھر سو برس سے انبیاء و اولیاء کے بارے میں عقائد کی جو جنگ لڑی جا رہی ہے آخر اس کا پس منظر کیا ہے؟

کتنا سنگین مذاق ہے یہ اہل اسلام کے ساتھ کہ صرف جی بہلانے کیلئے ان کے جذبات سے کھیلا جا رہا ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کا وہ لٹریچر جو کفر و شرک کی تعزیرات پر مشتمل ہے خانقاہوں میں تو پہلے ہی سے ناپسندیدہ تھا اب جبکہ اپنے گھر میں بھی وہ قابل عمل نہیں رہا تو اسے باقی رکھنے کی معقول وجہ کیا ہے؟

میرا یہ سوال دیوبندی جماعت کے سارے اصاغر و اکابر سے ہے کوئی صاحب بھی معقول جواب دے کر میری تشفی کر دیں۔ میں ساری زندگی ان کا شکر گزار رہوں گا۔

باپ کی غیب دانی کا قصہ

اب تک تو دوسروں کی بات چل رہی تھی اب خود مصنف کے والد بزرگوار کی غیب دانی کا قصہ سنئے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے چھوٹے بھائی قاری شرف الدین کا بیان ہے کہ مولانا وضو کر کے مصلّٰی پر دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھا چکے کہ میں نماز کی تیاری کے بجائے یہ سمجھ کر ان کے پیچھے کھیل میں مشغول ہوگیا کہ اب وہ تحریمہ باندھ کر نماز میں دیر تک مشغول رہیں گے اور ان کو میرے کھیلنے کی خبر نہ ہوگی لیکن ان کو فوراً کشف ہوگیا اور اچانک ہاتھ کانوں سے ہٹا کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور مجھ کو زور سے ڈانٹا۔ (درس حیات، ص ۲۲۶)

اس واقعہ کے بیان میں ذرا جذبہ عقیدت کا یہ تصرف ملاحظہ فرمایئے کہ تحریمہ باندھتے وقت پیچھے پلٹ کر دیکھنا اتفاقاً بھی ہوسکتا ہے اور اس غرض سے بھی ہوسکتا ہے صفیں سیدھی ہوگئیں یا نہیں لیکن مصنف کا اصرار ہے کہ میرے والد نے صرف اس لئے پیچھے پلٹ کر دیکھا کہ انہیں اپنی غیبی قوت ادراک کے ذریعے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ پیچھے کی صف میں بھائی کھیل رہا ہے۔

مجھے کہنے دیجئے کہ باپ کو غیب داں ثابت کرنے کیلئے جو جذبہ عقیدت یہاں کارفرما ہے اگر اس کا ہزارواں حصہ بھی رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے دل کے کسی گوشے میں موجود ہوتا تو عقائد کا یہ اختلاف جس نے اُمت کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے، ہرگز وجود میں نہ آتا۔

ہزار تاویلات کے باوجود دیوبندی لٹریچر کے ذریعے یہ حقیقت اب اتنی واضح ہوگئی ہے کہ ملت کا انصاف پسند طبقہ حالات کا یہ کرب محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک بات کی وضاحت...... اس کتاب میں دیوبندی لٹریچر کے حوالے سے کشف کا ذکر بار بار آیا ہے اس لئے میں اسے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ دیوبندی مذہب میں کشف کا دعویٰ کہاں تک دُرست ہے؟

لہٰذا اس کیلئے دیوبندی مذہب کی الہامی کتاب تقویۃ الایمان کا یہ فرمان ملاحظہ فرمایئے:۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ سب جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں کوئی کشف کا دعویٰ کرتا ہے کوئی استخارہ کا عمل سکھاتا ہے یہ سب جھوٹے ہیں اور دغا بازی کے جال میں ہرگز نہ پھنسنا چاہیئے۔ (ص ۲۳)

تقویۃ الایمان کی اس نشاندہی کے بعد دیوبندی گروہ کا کوئی شخص اپنے یا اپنے کسی بزرگ کیلئے کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو اب اس کے متعلق اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے دغاباز ہے اس کے جال میں ہرگز نہ پھنسنا چاہیئے۔

مولانا بشارت کریم صاحب کے واقعات

کبریائی اختیارات کی کہانی

موصوف گڑھول نام کی ایک بستی کے رہنے والے ہیں۔ جو ضلع مظفر پور بہار میں واقع ہے۔ درس حیات کے مصنف نے اپنے ایک استاد اور ایک مخدوم بزرگ کی حیثیت سے ان کا تذکرہ نہایت عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔

ان کے دربار کے ایک حاضر باش پنڈت کے بارے میں انہوں نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ پنڈت جی کسی مرشد کامل کی تلاش میں ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے تھے کہ اچانک کسی مجذوب عورت سے ان کی ملاقات ہوگئی اس نے گڑھول کا پتا بتایا کہ وہاں جا، وہاں تیرے درد کا درماں ہے۔ اب وہ گڑھول کا راستہ معلوم کر کے وہاں کیلئے روانہ ہوئے۔ اس کے بعد خود مصنف کی زبانی سنئے۔ لکھا ہے کہ

دوپہر کا وقت تھا اور گرمی کا زمانہ تھا جو گیارہ اسٹیشن سے پیدل گڑھول جا رہے تھے۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت لوگ عموماً گھروں کے اندر پناہ گزیں ہوتے ہیں باہر راستے میں چلتے ہوئے لوگ نہیں ملتے یہ کئی جگہ راستہ بھولے اور ہر جگہ ایک ہی صورت کے ایک شخص نے ظاہر ہو کر راستہ بتلا دیا۔ (درس حیات، ص ۲۹۹)

اب اس کے بعد کا قصہ سنئے۔ بیان کے اس حصے میں مرشد کامل کی قوت تصرف اور غیب دانی کا منصب کبریائی خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے ارشاد فرماتے ہیں:۔

جب گڑھول پہنچے اور حضرت کے جمال جہاں آراء پر نظر پڑی تو دیکھا کہ یہ تو وہی ہیں جنہوں نے راستے میں کئی جگہ ظاہر ہو کر رہنمائی فرمائی تھی۔ عقیدت جوش میں آئی۔ بے اختیار عرض کیا بادشاہ! میرے حال پر رحم کیجئے اور مجھ کو راستہ بتلائیے۔ (ص ۳۰۰)

گفتگو کا یہ حصہ نیاز مند اور دماغی ذہن کا فرق اچھی طرح واضح کر دیتا ہے۔ فطرت انسانی کا یہ نکتہ اگر سمجھ میں آ گیا تو نظر کے بہت سارے حجابات خود بخود اٹھ جائیں گے۔

حضرت نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا کہ گڑھول آتے ہوئے جہاں کہیں راستہ بھولا تو بادشاہ آپ نے ظاہر ہو کر راستہ بتلایا۔ اب آپ پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ آپ کو سب معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ (ص ۳۰۰)

یہ واقعہ پڑھ کر ہر غیر جانبدار ذہن کو جن سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا وہ یہ ہیں:۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت غیب داں نہیں تھے تو گھر بیٹھے انہیں کیونکر معلوم ہوگیا کہ ایک جوگی میرے دربار میں آتے ہوئے راستہ بھول گیا ہے چل کر اس کی رہنمائی کی جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ راستہ بھولنے کا واقعہ کئی بار پیش آیا اور ہر بار یہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں راستہ گم ہوگیا تھا۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے جوگی کی ایک ایک نقل و حرکت دیکھ رہے ہیں اور جہاں ضرورت سمجھتے تھے فوراً رہنمائی کیلئے پہنچ جاتے تھے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ راستہ بتانے کیلئے جوگی کے سامنے ایک ہی شکل و صورت کا جو شخص بار بار نمودار ہوا وہ کون تھا؟ آیا وہ خود 'حضرت' تھے یا کوئی اور تھا۔ اگر وہ خود حضرت تھے تو بجلی کی طرح یہ سرعت رفتار انہیں کیونکر میسر آئی کہ مسافر ابھی راستے ہی میں تھا اور یہ کئی بار آئے بھی اور گئے بھی اور اگر وہ 'حضرت' نہیں تھے بلکہ کوئی اور تھا تو بالکل 'حضرت' کی طرح یہ دوسرا 'وجود' کس کے تصوف کا نتیجہ تھا؟

چوتھا سوال یہ ہے کہ جوگی نے جب یہ کہا کہ بادشاہ! گرتھول آتے ہوئے جہاں کہیں ہم بھولے آپ نے ظاہر ہو کر راستہ بتایا اس کے بعد بھی آپ پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ آپ کو معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ تو انہوں نے رسماً بھی یہ نہیں کہا کہ اسلام میں کسی مخلوق کیلئے اس طرح کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ یہ صرف خدا کا حق ہے جب ہم اپنے پیغمبر کے بارے میں اس طرح کا اعتقاد خلاف حق سمجھتے ہیں تو میرے متعلق یہ اعتقاد کیونکر درست ہوگا۔

ان سوالات کے جوابات کیلئے میں آپ ہی کے ضمیر کا انصاف چاہتا ہوں۔

باطنی مشاہدات کا ایک حیرت انگیز واقعہ

اپنے حضرت کی غیبی قوتِ ادراک کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک کتاب کے مصنف اپنے والد سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:۔

والد صاحب مرحوم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت مولانا بشارت کریم صاحب فرماتے تھے کہ میں نے بارہا آپ کے قلب پر نظر کی تو اس کو آپ کے شیخ کی توجہات سے معمور و مربوط پایا۔ آپ کے شیخ کا پورا قبضہ آپ کے قلب پر ہے اور آپ کے قلب کا پورا رابطہ شیخ کے ساتھ ہے...... سبحان اللہ! کشف قلوب کی کتنی عجیب مثال ہے یہ واقعہ۔ (درس حیات، ص ۳۳۲)

داد دیجئے! اس نظر کو جو ایک طرف سینہ چاک کرتی ہوئی مرید کے قلب تک جا پہنچی اور قلب میں شگاف ڈال کر اندر کا سارا حال دیکھ لیا اور دوسری طرف باطنی توجہ کا وہ طویل سلسلہ بھی دیکھ آئی جو سینکڑوں میل کی مسافت پر شیخ کے قلب کے ساتھ منسلک تھا اور پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ نگاہ کا یہ عمل کچھ ایک ہی بار نہیں پیش آیا کہ اسے حسن اتفاق کا نتیجہ کہہ کر بات رفع دفع کر دیجئے بلکہ بیان کی صراحت کے مطابق بارہا ایسا ہوا اور جب بھی چاہا ہوتا رہا۔

معاذ اللہ! جذبۂ عقیدت کا تصرف بھی کتنا پر آشوب ہوتا ہے۔ ایک ادنیٰ امتی کیلئے تو زبان و قلم کا یہ اعتراف ہے اور رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں سارا قبیلہ متفق ہے کہ ان کی نظر پس دیوار بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

ایک مجذوب کا قصہ عجیب

درس حیات کے مصنف نے اپنے ایک رفیق تعلیم کے حوالے سے ایک مجذوب کا قصہ بیان کیا ہے لکھا ہے کہ جنگ پور روڈ ضلع مظفر پور میں جہاں ان کے رفیق تعلیم کا گھر تھا۔ ایک مجذوب رہا کرتا تھا اس سے ان کی اچھی خاصی شناسائی تھی۔ ایک دن رات کے وقت استنجے کیلئے باہر نکلے، دیکھا کہ وہ مجذوب ان کے سامنے سے گزر رہا ہے وہ بھی اس کے پیچھے لگ گئے۔ بستی سے باہر نکل کر کچھ دور چلے جانے کے بعد مجذوب رُک گیا اور گڑھول (جہاں مولانا بشارت کریم صاحب کا گھر تھا) کی طرف رُخ کر کے ان سے کہنا شروع کیا۔ ارے دیکھ! اُدھر دیکھ! وہ دیکھ گڑھول مولانا بشارت کریم صاحب ذکر کر رہے ہیں اور ان کے مکان سے عرش تک نور ہی نور ہے ارے اندھے دیکھ! تجھ کو نظر نہیں آتا وہ دیکھ! (درس حیات، ص ۳۴۲)

اسے مجذوب کی بڑ کہہ کر آپ گزر بھی جانا چاہیں تو 'دانشورانِ دیوبند' کے اس اعتراف کو کیا کہیے گا جس کے لفظ سے یقین کا تیور جھلک رہا ہے۔

اللہ اللہ! یہ ہے ذکر اور یہ ہیں ذاکر! جن کے انوار کا کوئی آنکھ والا ہی مشاہدہ کر سکتا ہے۔ نہ صرف قریب سے بلکہ آٹھ نو میل کی دوری سے اس طرح مشاہدہ کر سکتا ہے کہ جیسے کسی محسوس چیز کو بہت قریب سے کوئی دیکھ رہا ہو۔ (ص ۳۴۲)

جی چاہتا ہے کہ اس مقام پر پھر میں آپ کے جذبہ انصاف کو آواز دوں کہ سردارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو علم پس دیوار کا عقیدہ دانشورانِ دیوبند کے حلق کے نیچے اب تک نہیں اُتر سکا۔ لیکن ایک مجذوب کے حق میں دل کا یہ یقین ملاحظہ فرمایئے کہ نو میل کے فاصلے سے اندھیری رات میں فرش سے عرش تک غیبی انوار و تجلیات کا وہ اس طرح مشاہدہ کر رہا ہے جیسے کسی محسوس چیز کو بہت قریب سے کوئی دیکھتا ہے، نہ درمیان کے حجابات اس کی نظر پر حائل ہوتے ہیں اور نہ رات کی تاریکی مانع ہوتی ہے۔

حیرت ہوتی ہے دیوبندی ذہن کی اس بوالعجبی پر کہ غیبی علم و ادراک کی جو قوت وہ ایک ادنیٰ اُمتی کے حق میں تسلیم کرتے ہیں اُسے اپنے رسول کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے انہیں شرک کا آزار کیوں ستانے لگتا ہے؟

علمائے دیوبند کا یہی وہ زاویۂ فکر ہے جہاں سے واضح طور پر ہمیں یہ محسوس کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اپنے اور بیگانے کے درمیان جوہری فرق کیا ہوتا ہے اور حالات و واقعات پر اس کا اثر کیا پڑتا ہے۔

مولوی عبدالشکور نام کے کوئی صاحب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس تھے موصوف مولانا بشارت کریم صاحب کے خاص مریدوں میں تھے۔ ان کے متعلق درس حیات کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ ایک بار اپنے شیخ کی بارگاہ میں یہ خیال لے کر روانہ ہوئے کہ حضرت سے دریافت کروں گا کہ بعض بزرگوں کے متعلق جو یہ سنا گیا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں کئی کئی جگہ موجود ہو جاتے تھے تو اس کی حقیقت کیا ہے؟ اب اس کے بعد کا قصہ خود مرید کی زبانی سنئے...... بیان کرتے ہیں کہ

جب (وہاں) پہنچا تو نماز کا وقت تھا۔ اس زمانے میں خود حضرت نماز پڑھایا کرتے تھے میں بھی جماعت میں شریک ہوا نماز شروع ہوتے ہی مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور میں نے دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے اور اس وسیع میدان میں جا بجا متعدد جماعتیں صف بستہ نماز میں مشغول ہیں اور ہر جماعت کے امام حضرت ہیں اور سارے کے سارے مقتدی ہر جماعت میں وہی ہیں جو اس جماعت میں تھے جس میں شامل ہو کر میں حضرت کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا۔

یہ دیکھ کر آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ میرے سوال کا جواب مجھ کو مل گیا۔ سارے شبہات کا ازالہ ہو گیا۔ حضرت کے روحانی تصرفات نے ایسا مشاہدہ کرا دیا کہ پھر حضرت سے پوچھنے اور سمجھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ (درس حیات ص ۳۵۴)

'مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوئی' سے مراد نیند نہیں ہے کہ اس واقعہ کو آپ خواب کی بات کہہ کر گزر جائیں بلکہ عین حالتِ بیداری میں انہوں نے غیبی تصرفات کا یہ تماشا دیکھا۔

اس واقعہ میں ایک طرف حضرت کی غیبی قوت ادراک کا یہ کرشمہ دیکھئے کہ عین نماز کی حالت میں انہوں نے اپنے مرید کا وہ خیال تک معلوم کر لیا جسے وہ اپنے دل میں چھپا کر لائے تھے اور معاً یہ بھی دریافت کر لیا کہ عقدہ کشائی کا طلبگار صف میں میرے پیچھے کھڑا ہے اور دوسری طرف کمالِ تصرف ملاحظہ فرمائیے کہ نماز شروع ہوتے ہی طلسم ہوشربا کی طرح انہوں نے اپنے مرید کو ایک ہی وقت میں متعدد جگہ کیونکر موجود ہو سکتا ہے۔

یہ واقعہ اگر صحیح ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ دیوبندی مذہب کا جھوٹ فاش کرنے کیلئے اب کسی نئی تصنیف کی حاجت نہیں ہے خود دیوبند کے اہل قلم اس خدمت کیلئے بہت کافی ہیں۔

ایک اور حشر بر پا کہانی

درس حیات کے مصنف نے ایک معتبر راوی کے حوالے سے اسی مذکور الصدر پنڈت کا ایک اور حیرت انگیز قصہ بیان کیا ہے۔ اس معتبر راوی کا بیان ہے کہ حضرت کے حجرۂ خاص میں میرے اور پنڈت جی کے سوا کسی کو بھی باریاب ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

راوی کہتا ہے کہ ایک دن بعد مغرب اپنے حجرۂ خاص میں حضرت تلاوت فرما رہے تھے ایک گوشے میں پنڈت جی مراقب تھے اور دوسرے گوشے میں مَیں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک پنڈت جی چیخے، پھر تڑپے، پھر بے ہوش ہوگئے۔ حضرت تلاوت روک کر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب انہیں ہوش آیا تو دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ کیا دیکھا؟

اب 'کیا دیکھا' کی تفصیل خود راوی کی زبانی سنئے:۔

پنڈت جی نے عرض کیا کہ بادشاہ! میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے، میدانِ حشر میں حق تعالیٰ عرش پر جلوہ گر ہے، حساب و کتاب ہو رہا ہے، مخلوق کا بے پناہ ہجوم ہے۔ آپ بھی ہیں، مَیں بھی ہوں، آپ مجھ کو پکڑے ہوئے عرشِ الٰہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جب قریب پہنچ گئے تو آپ نے مجھ کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھایا اور عرش الٰہی کی طرف بڑھایا۔ میں حق تعالیٰ کے جلال ہیبت و عظمت سے چیخ اُٹھا۔ (درس حیات، ص ۳۰۲)

یہ تو تھا پنڈت جی کا مشاہدہ! لیکن 'حضرت' نے جن الفاظ میں اس کی توثیق فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کی چیز ہے راوی کا بیان ہے کہ حضرت نے یہ سن کر حسبِ عادت تھوڑا سا سکوت فرمایا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا مبارک ہو نور اللہ! (پنڈت جی کا نیا نام) اس سے بڑھ کر اور کیا چاہتے ہو! (ص ۳۰۲)

لا الہ الا اللہ! نو مسلم پنڈت کا مقامِ عرفان تو اپنی جگہ پر ہے لیکن سچ پوچھئے تو اس واقعہ کا سارا کریڈٹ 'حضرت' کو ملنا چاہئے جن کے فیضانِ صحبت نے ایک نو مسلم پنڈت کو عالم غیب کا محرم بنا دیا یہاں تک کہ وہ غیب الغیب ذات بھی اس کی نظر سے نہیں چھپ سکی جسے گیتی پر حالت بیداری میں آج تک کسی نے نہیں دیکھا ہے۔

اب آپ ہی ہماری مظلومیت کے ساتھ انصاف کیجئے کہ اتنا کھلا ہوا شرک دیوبند کے ان پارساؤں نے اپنے حلق کے نیچے اتار لیا پھر بھی ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے اور ہم ایمان کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ہمارے لئے قتل کی تجویز ہے۔

﴿ انا للہ وانا الیہ راجعون ﴾

حضرت کی قبر کے عجائب وغرائب

اب تک تو حضرت کی حیاتِ ظاہری کے قصے آپ سن رہے تھے اب ان کی وفات کے بعد کے دو قصے اور سنئے۔

درسِ حیات کے مصنف ان کی قبر کے تصرفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وصال کے بعد ایک مدت تک مزار شریف پر لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور پانی، تیل، نمک وغیرہ قبر شریف کے پاس لیجا کر رکھ دیتے اور کچھ دیر کے بعد اُٹھا لیتے۔ اس سے بکثرت لوگوں کو فوائد حاصل ہوئے۔ (درسِ حیات، ص ۳۵۷)

یہ تو رہا صاحبِ قبر کا تصرف! اب قبر کی مٹی کا تصرف ملاحظہ فرمایئے...... لکھتے ہیں کہ

وصال کے بعد سے لوگوں کا ہجوم جو مزار کے پاس آتا وہ پانی وغیرہ رکھتے یا یوں سمجھئے کہ دم کرانے کے بعد تھوڑی مٹی بھی ہر ایک اُٹھا کر لیجانے لگا چنانچہ چند روز میں ضرورت پڑ جاتی ہے کہ دوسری مٹی مزار شریف پڑ ڈالی جائے۔ چنانچہ مولانا ایوب صاحب مرحوم (حضرت کے صاحبزادے) کچھ عرصہ تک جب مٹی کم ہوجاتی نئی مٹی ڈال دیا کرتے۔ (ص ۳۵۸)

لکھا ہے کہ مٹی ڈالتے ڈالتے جب صاحبزادے تنگ آگئے اور روز روز کی یہ 'فری ڈیوٹی' وبالِ جان ہوگئی تو ایک دن آزردہ خاطر ہو کر مزار شریف پر حاضر ہوئے اور نہایت ادب سے عرض کیا:۔

حضرت! زندگی میں تو بہت سخت تھے مگر اب مزار شریف پر یہ کیا ہونے لگا ہے۔ اب میں آخری مرتبہ مٹی ڈال رہا ہوں اس کے بعد اگر گڑھا بھی پڑ جائے گا تو اب میں مٹی نہیں ڈالوں گا۔ اس سلسلے کو بند کروایئے۔ (ص ۳۵۸)

لختِ جگر نے مچل کر کہا تھا آخر ناز اُٹھانا ہی پڑا۔ اُمیدوں کے بے شمار آبگینے ٹوٹ گئے لیکن نورِ نظر کا دل نہیں توڑا جاسکا۔ لکھا ہے کہ **اس** کے بعد پھر کسی نے مٹی نہیں اٹھائی۔ قطعاً وہ سلسلہ بند ہوگیا اور اب کبھی مٹی ڈالنے کی نوبت نہیں آئی اور پانی، تیل، نمک وغیرہ مزار شریف پر رکھ کر دم کرانے کا خیال بھی اب کسی کو نہ پیدا ہوا اور وہ سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔ (ص ۳۵۸)

صاحبزادے نے جو کچھ کہا تھا وہ صاحبِ مزار سے کہا تھا، آنے والوں کو کس نے روکا کہ وہ یکلخت رُک گئے۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ یہ صاحبِ مزار کا تصرف تھا کہ جب تک چاہا میلہ لگا اور جب انہیں چاہا اجڑ گیا۔ گویا اہل حاجت کے قلوب ان کے اپنے سینوں میں نہیں بلکہ صاحبِ مزار کی مٹھی میں تھے، بند کی تو جمع ہوگئے، کھول دی تو بکھر گئے۔

اب اس واقعہ کے چند اہم نکتوں پر میں آپ سے آپ ہی کے ضمیر کا انصاف چاہتا ہوں:۔

پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ لحد کی آغوش میں اگر کوئی متحرک، با اختیار اور فیض بخش زندگی نہیں تھی تو صاحبزادے نے خطاب کس کو کیا تھا؟ درخواست کس سے کی تھی؟ اور کس کے تصرف سے اہل حاجت کا سلسلہ اچانک بند ہوا؟

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مزار کے اردگرد صاحبِ مزار کی نسبت کا اثر اگر کارفرما نہیں تھا تو قبر کی مٹی اور اس کے قریب رکھے جانے والے تیل اور پانی سے بہ کثرت لوگوں کو فائدہ کیوں پہنچ رہا تھا؟

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ صاحبِ مزار نے اپنی قوتِ تصرف سے جو سلسلہ بند کیا اس کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ شریعت کی طرف سے بھی اس کے بند کرنے کا مطالبہ تھا یا نہیں، اگر تھا تو اس الزام کا کیا جواب ہے کہ شریعت کے کہنے پر تو نہیں بند کی جب بیٹے نے کہا تو بند کر دیا۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں جب صاحبِ مزار کو یہ اُمور ناپسندیدہ تھے تو مرنے کے بعد کیونکر پسندیدہ ہو گئے۔ آخر وہاں پہنچ کر حقیقت کا کون سا نیا عرفان حاصل ہوا جس نے عقیدے کا مزاج بدل دیا اور جس مشرب کے خلاف ساری زندگی لڑتے رہے مرنے کے بعد اس کے ساتھ صلح کرنا پڑی۔

پانچواں نکتہ یہ ہے کہ صاحبزادگان و متعلقین کو اگر یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ خلافِ شرع ہونے کے باعث اہل حاجت کا یہ میلہ صاحبِ مزار کو پسند نہیں ہے تو انہوں نے دینی جذبے کے زیر اثر پہلے ہی دن اسے کیوں نہیں روکا جب مٹی ڈالتے ڈالتے تنگ آ گئے تب روکنے کا خیال پیدا ہوا اور وہ بھی خود نہیں بلکہ صاحبِ مزار سے درخواست کی کہ آپ روک دیجئے۔

چھٹا نکتہ یہ ہے کہ بیٹے کی ضد پر جس قوتِ تصرف کے ذریعے صاحبِ مزار نے یہ سلسلہ بند کیا، وہ قوت دوسرے اصحابِ مزار کو بھی حاصل ہے یا نہیں؟ اگر حاصل ہے تو روکنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی جب وہ نہیں روکتے تو کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگ ان تمام اُمور کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں اور جب صالحین کے سارے گروہ اسے پسند کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ و رسول کے نزدیک بھی وہ پسندیدہ نہ ہو۔

مرنے کے بعد غیبی قوتِ ادراک کا ایک اور قصہ

درس حیات کے مصنف نے 'حضرت' کی وفات کے بعد کا ایک قصہ اور بیان کیا ہے.....لکھا ہے کہ

ایک صاحب جو 'حضرت' کے متوسلین میں ہیں ایک سخت مرض میں مبتلا ہوئے۔ جب ہر طرف سے علاج کر کے تھک گئے تو ایک روز حضرت کو خواب میں دیکھا فرمارہے ہیں سلمان (حضرت کے صاحبزادے) سے کہو ہومیو پیتھک کی فلاں دوا فلاں نمبر کی دے دے۔

یہ صبح اُٹھ کر سلمان بابو کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مرض کا حال بیان کیا۔ وہ یونانی کے ساتھ ہومیو پیتھک علاج بھی کرتے تھے حالانکہ انہوں نے خواب کا واقعہ ابھی ذکر نہیں کیا تھا وہ اُٹھے اور الماری میں سے وہی دوا اس نمبر کی نکال کر ان کو دی جو حضرت نے فرمائی تھی۔ (ص ۳۶۲)

بعدِ مرگ بھی اگر غیبی علم وادراک کی قوت حضرت کو حاصل نہیں تھی تو انہوں نے قبر میں لیٹے لیٹے کیسے معلوم کرلیا کہ میرا فلاں مرید سخت مرض میں مبتلا ہوگیا ہے اور یہ بھی معلوم کرلیا ہے کہ اسے فلاں مرض ہے اور وہ علاج سے مایوس بھی ہوگیا ہے اور یہ بھی دریافت کرلیا کہ ہومیو پیتھک میں اس کی دوا یہ ہے اور اتنے نمبر کی ہے، حالانکہ وہ ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی نہیں تھے۔

ساتھ ہی تصرف کی یہ قوت بھی ملاحظہ فرمایئے کہ وہ اپنے مرید کے پاس خواب میں تشریف بھی لائے اور ہدایت کر کے گئے کہ سلمان بابو سے فلاں دوا فلاں نمبر کی حاصل کرلو۔

دنیا سے اگر انصاف رُخصت نہیں ہوگیا ہے تو اہل انصاف اس کا ضرور فیصلہ کریں گے کہ جب اپنے وفات یافتہ بزرگوں کے بارے میں اہل دیوبند کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ ہیں، صاحبِ اختیار ہیں اور ہر طرح کے تصرف کی قدرت رکھتے ہیں تو انبیاء واولیاء کے بارے میں اسی عقیدے کے سوال پر سو برس سے وہ ہمارے ساتھ کیوں برسر پیکار ہیں، کیوں ان کا پریس زہر اُگلتا ہے، کیوں اُن کے خطیب ہم پر آگ برساتے ہیں، کیوں ہمیں وہ گور پرست، قبر پجو اور شرک کے الزام سے مطعون کرتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ آج نہیں تو کل ان کے نمائشی اسلام اور مصنوعی توحید پرستی کا طلسم ٹوٹ کر رہے گا۔ باخبر دنیا کو زیادہ دِنوں تک وہ دھوکے میں نہیں رکھ سکتے۔

ضمیر کا فیصلہ

کتاب کے خاتمے پر اب میں آپ کے ضمیر کا ایک کھلا ہوا فیصلہ چاہتا ہوں جو کسی خارجی جذبے کے زیر اثر ہونے کی بجائے صرف انصاف وحقیقت پر مبنی ہو۔

پچھلے اوراق میں علمائے دیوبند کے بزرگوں کے جو واقعات وحالات آپ نے پڑھے ہیں چونکہ اسکے راوی بھی خود علمائے دیوبند ہی ہیں اس لئے اب یہ الزام ناقابل تردید ہوگیا ہے کہ جن اعتقادات کو یہ حضرات انبیاء واولیاء کے حق میں شرک قرار دیتے ہیں انہی کو اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کیونکر جائز ٹھہرا لیا ہے؟ اور وہ بھی صرف کسی ایک آدھ کے بارے میں اس طرح کی روایتیں ملتی تو ہم اسے سوءِ اتفاق یا لغزش قلم پر محمول کر لیتے لیکن حضرت شاہ امداد اللہ صاحب سے لے کر مولوی سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل دہلوی، شاہ عبد القادر دہلوی، مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی، مولوی رفیع الدین صاحب دیوبندی، مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور مولوی حسین احمد صاحب مدنی تک اتنے سارے دیوبندی اکابر کے متعلق ایک ہی طرح کے واقعات کا تسلسل کیا ہمیں یہ سوچنے پر مجبور نہیں کرتا کہ جس طرح انبیاء کے حق میں انکار ونفی کے سوال پر سب متفق تھے بالکل اسی طرح گھر کے بزرگوں کے حق میں اقرار واثبات کے سوال پر بھی سب متحد ہیں، نہ وہاں قلم کا کوئی نسیان تھا نہ یہاں قلم سے کوئی سہو واقع ہوا ہے۔

اب یہ ایک الگ سوال ہے کہ ایک ہی طرح کے معتقدات کو انبیاء کے حق میں انہوں نے شرک قرار دیا اور اُن سے نفی کی اور اُنہی کو گھر کے بزرگوں کے حق میں جائز ٹھہرایا اور ان کا اثبات کیا۔

اگر واقعی وہ صفات وکمالات کے ساتھ مخصوص نہیں تھے اور کسی مخلوق میں انہیں تسلیم کرنا موجبِ شرک نہیں تھا تو پھر انبیاء واولیاء کے حق میں شرک کا حکم کیوں صادر کیا؟

ان سوالوں کے جوابات کیلئے میں آپ سے آپ ہی کے ضمیر کا فیصلہ چاہتا ہوں ان کے علاوہ بھی اگر کوئی جواب ہوسکتا ہے تو بتایئے کہ جسے اپنا سمجھا گیا اس کے فضل وکمال کے اعتراف کیلئے کوئی جگہ نہیں بھی تھی تو بنالی گئی اور جو اپنے تئیں بیگانہ تھا اس کے قرار واقعی مجد وشرف کے اظہار میں بھی دل کا بخل چھپایا نہ جاسکا۔

کتاب کی آخری سطر لکھتے ہوئے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنے علم واطلاع اور ایمان وعقیدت کے اخلاقی فرض سے آج سبکدوش ہوگیا۔

میں نے شواہد ودلائل کے ساتھ اپنا استغاثہ آپ کی عدالت میں پیش کردیا ہے فیصلہ دیتے وقت اس بات کا لحاظ رکھئے گا کہ قبر سے لے کر حشر تک کسی عدالت میں بھی آپ کا فیصلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

﴿ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وآلہٖ واصحابہٖ وحزبہٖ اجمعین ﴾

'زلزلہ' پر مولانا عامر عثمانی 'مدیر تجلی' دیوبند کا تبصرہ

اس کتاب کے فاضل مصنف بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ ان کا اندازِ تحریر عام بریلوی اربابِ قلم کی معروف خامیوں سے خاصی حد تک پاک ہے اور ان کے علم کلام میں معقولیت کا عنصر بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی ان میں پوری پختگی نہ آئی ہو۔

کتاب کا نام کچھ مناسب نہیں معلوم ہوا، اس افسانوی نوع کے نام نے کتاب کی علمی ثقاہت کو مجروح کیا ہے کاش! کوئی ایسا نام رکھا جاتا جس میں ثقاہت کے علاوہ نفس موضوع کی طرف اشارہ ہوتا۔ اس کتاب میں صاحبِ کتاب نے علمائے دیوبند کی تحریروں سے یہ واضح کیا ہے کہ یہ حضرات عقائد کے معاملے میں سخت تضادات کا شکار ہیں اور جن اُمور کو یہ بریلویوں کے تعلق سے بدعت، شرک اور کفر وغیرہ لکھتے ہیں انہیں وہ اپنے بزرگوں کیلئے عین ایمان قرار دیتے ہیں۔

بات اگر اس اوندھے علم کلام کی ہوتی جس کا مظاہرہ بریلوی مکتب فکر کی طرف سے بالعلوم پمفلٹوں اور پوسٹروں وغیرہ میں کیا جاتا رہتا ہے تو ہم نوٹس ہی نہ لیتے مگر یہ کتاب دستاویزی حقائق اور ناقابل تردید شواہد پر مشتمل ہے اور فاضل مصنف اکثر و بیشتر سنجیدگی کا دامن تھامے رہے ہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم بے لاگ تبصرے کا فرض ادا نہ کریں۔

کتاب کی ترتیب یوں ہے کہ مصنف ایک طرف تو اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان اور بعض اور علمائے دیوبند کی کتابوں سے یہ دکھلاتے جاتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کے حق میں علم غیب اور تصرف وغیرہ کے عقیدے کو علمائے دیوبند نے شرک و بدعت اور خلافِ توحید کہا ہے اور دوسری طرف یہ دکھلاتے ہیں کہ خود اپنے بزرگوں کے حق میں یہ سارے عقائد علمائے دیوبند کے یہاں موجود ہیں۔

بات یقیناً تشویشناک ہے مصنف نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے کہ ادھر ادھر سے چھوٹے موٹے فقرے لیکر ان سے مطالب پیدا کیے ہوں بلکہ پوری پوری عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی طرف سے ہرگز کوئی معنی پیدا نہیں کیے ہیں ہم اگرچہ حلقہ دیوبندی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔ ہم اگر عام روش کے مطابق اندھے مقلد اور فرقہ پرست ہوتے تو بس اتنا ہی کرسکتے تھے کہ اس کتاب کا ذکر ہی نہ کریں لیکن خدا بچائے اشخاص پرستی اور گروہ بندی کی باطل ذہنیت سے، ہم اپنا دیانتدارانہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ متعدد علمائے دیوبند پر تضاد پسندی کا جو الزام اس کتاب میں دلیل و شہادت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے وہ اٹل ہے۔

یہ دیوبندیوں کے لٹریچر کی خاصی مشہور کتابیں ارواح ثلاثہ، تذکرۃ الرشید، سوانح قاسمی، اشرف السوانح، الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر، انفاس قدسیہ وغیرہ۔ ان کی صورتیں دیکھنے اور کہیں کہیں سے پڑھنے کا شاید ہمیں بھی اتفاق ہوا ہو لیکن یہ 'زلزلہ' ہی سے منکشف ہوا کہ ان میں کیسے کیسے عجوبے اور کیسی کیسی اَن کہیاں محفوظ ہیں۔ (استغفر اللہ ثم استغفر اللہ) واقعہ یہ ہے کہ فحش ناول بھی اپنے قارئین کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکے جتنا ان کتابوں نے پہنچایا ہوگا ان کے باقی اوراق پر چاہے حقائق و معارف کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں لیکن جو اقتباسات 'زلزلہ' میں نقل کئے گئے ہیں وہ بجائے خود اس کیلئے کافی ہیں سادہ لوح قارئین کی دھجیاں اُڑا دیں اور خدا پرستی کی جگہ انہیں 'بزرگ پرستی' کا ایسا سبق دیں جس کے زہر کا کوئی تریاق نہ ہو۔

مصنف بار بار پوچھتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے اس تضاد کا جواب کیا ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ اس سوال کا جواب مولانا منظور نعمانی یا مولانا محمد طیب صاحب کو دینا چاہئے، مگر وہ کبھی نہ دیں گے کیونکہ جو اعتراض ایک ناقابل تردید صداقت کی حیثیت رکھتا ہو۔ اس کا جواب دیا بھی جاسکتا ہے مگر ہمیں چونکہ علمائے دیوبند کی اندھی وکالت نہیں کرنی ہے اس لئے موٹا سا جواب ہم دیتے ہیں کہ مرحوم علمائے دیوبند صرف عالم ہی نہیں تھے بلکہ صوفی اور شیخ بھی تھے تصوف کتنا ہی محتاط ہو وہ اپنے ساتھ کشف و کرامات اور تحیرات و تصرفات کے طلسم خانے ضرور لاتا ہے پھر یہ طلسم خانے مریدانِ باصفا کی اندھی عقیدت مندیوں اور خوش فہمیوں کی آمیزش سے تہ در تہ ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ شریعت کے محکم اصول و عقائد کیلئے ان کی حیثیت چیلنج کی ہوجاتی ہے اور قرآن و سنت کو معیار بنانے والے ناقدین کی زبانیں یہ کہنے پر مجبور ہوجاتی ہیں کہ تصوف نشہ ہے، سفسطہ ہے، شریعت کا دشمن ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ تذکرۃ الرشید اور سوانح قاسمی اور اشرف السوانح جیسی کتابوں سے کچھ یہ توقع رکھنی ہی نہیں چاہئے کہ وہ افسانہ تراشیوں اور مغالطوں کی آمیزش سے پاک ہوں گی ارادت مند حضرات جب اپنے ممدوحوں کے تذکرے لکھتے ہیں تو ناممکن ہوجاتا ہے کہ وہ جن روایت کے اس اعلیٰ اور احوط معیار کا لحاظ رکھ سکیں جس کے ذریعے احادیث کو جانچا پرکھا جاتا ہے اس لئے رونا صرف ان مریدانِ باصفا کا نہیں جو غیر عالم ہیں بلکہ اس وادی میں تو اچھے اچھے علامہ اور روشن فکر حضرات بھی ایک ہی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔ یہ سوانح قاسمی کے فاضل مرتب مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ کیا معمولی درجے کے عالم تھے؟ یہ تذکرۃ الرشید کے عالی قدر مرتب مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کیا جہلاء کی صف میں تھے؟ یہ انفاس قدسیہ کے محترم مدون مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کیا بے پڑھے لکھے آدمی ہیں؟ یہ الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر اور خواجہ غریب نواز نمبر شائع کرنے والے کیا غیر عالم ہیں؟ اور یہ ارواحِ ثلٰثہ کے مصنف امیر شاہ خان کیا کباڑی بزار کی جنس تھے؟ نہیں! یہ سب ماشاء اللہ لائق فائق علمائے شریعت ہیں اور دوسروں کا افکار و عقائد پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے میں ان کی اہلیت مشین گن سے کم نہیں ہے مگر یہی مکرم حضرات جب اپنے ممدوحوں اور بزرگوں کے احوال بیان کر بیٹھتے ہیں تو نقد و نظر کی ساری صلاحیتوں کو بالائے طاق

رکھ دیتے ہیں اور یہ تک بھول جاتے ہیں کہ ہم نے کب کیا فتویٰ اور فیصلہ دیا تھا خود ہم نے اور ہمارے معتمد بزرگوں نے کس قدر شد و مد سے توحید و شرک اور سنت و بدعت کے کیا کیا عقدے کھولے ہیں۔

بات تلخ ہے مگر سو فیصدی دُرست کہ دیو بندی مکتبہ فکر کے خمیر میں بھی اندھی تقلید اور مسلکی تعصّبات کی اچھی خاصی مقدار گندھی ہوئی ہے۔ اس مکتب کا کم وبیش ہر عالم پہلے دن سے اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ ہر کسی نے قرآن کو پوری طرح سمجھا ہے تو وہ ہمارے فلاں فلاں شیخ التفسیر ہیں۔ اگر علم الحدیث کی تہ تک کوئی پہنچا ہے تو وہ ہمارے فلاں شیخ الحدیث پہنچے ہیں۔ اگر ولایت و نبوت اور طریقت و تصوف کے اسرار و معارف پر کسی نے عبور حاصل کیا ہے تو ہمارے فلاں فلاں شیوخ ہیں۔ اس خوش فہمی کے ساتھ یہ عقیدہ بھی دلوں میں جاگزیں کر لیا گیا ہے کہ وہ محفوظ عن الخطاء بھی ہیں معصوم تو اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ایک عامی بھی عصمت کو انبیاء کا مخصوص وصف سمجھتا ہے مگر محفوظ کی اصطلاح کا سہارا لیکر وہ عملاً انہیں معصوم ہی تصور کئے ہوئے ہیں۔ ان کا پختہ خیال ہے کہ ان کا ہر بزرگ زہد و تقویٰ کے علاوہ عقل و دانش میں بقراط و ارسطو سے کسی طرح کم ہرگز نہیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ردِّ مودودیت کی بسم اللہ کی تو اب سارے متوسلین اور ارباب حلقہ اور اہل تعلق پر واجب ہو گیا کہ یہی راگ مسلسل الاپے جائیں اور ایک ایک اعتراض و الزام کا جواب خواہ کتنی ہی قوت اور معقولیت کیساتھ دے دیا گیا ہو مگر ضد اور اندھی تقلید کے محاذ سے بے تکان وہی گھڑے گھڑائے نعرے اور ڈھلی ڈھلائی چرب زبانیاں نشر کئے جائیں۔

خیر مولانا مودودی کا اور ان صلحاء کا فیصلہ تو ان شاء اللہ اب یوم حشر میں ہو گا مگر یہ کتاب زلزلہ جو نقد جواب طلب کر رہی ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کی صورت آخر کیا ہوگی۔ اپنی کسی غلطی کو تسلیم کرنا تو ہمارے آج کے بزرگانِ دیوبند نے سیکھا ہی نہیں۔ انہوں نے صرف یہ سیکھا ہے کہ اپنی کہے جاؤ اور کسی کی مت سنو۔ اِن شاء اللہ اس کتاب کے ساتھ بھی ان کا سلوک اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کتاب نے ہمیں ہمارے بزرگوں کی جن محیر العقول کرامتوں سے آگاہ کیا ہے ان کو تو خیر کیا کہیے ایک نادر اقتباس یہاں ہم ضرور نقل کریں گے جس نے ہمیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

سید اسماعیل شہید کے بارے میں ہم یقین رکھتے تھے کہ انہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کی راہ میں جان دی اور آج بھی یقین رکھتے ہیں مگر یہ ہمارے مرحوم و مغفور استاد مولانا مدنی اپنی کتاب نقش حیات میں فرماتے ہیں، سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جن کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے بدیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟ اس سے آپ کو غرض نہیں جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں، وہ حکومت کریں گے۔ (نقش حیات، ج ۲ ص ۱۲)

اس پر زلزلہ کے مرتب نے جو ریمارک دیا ہے وہ یہ ہے، آپ ہی انصاف سے بتایئے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضا کاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنے کیلئے اُٹھا تھا۔ (ص ۷۰)

ہم کتنی ہی جانب داری سے کام لیں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس ریمارک میں لفظاً تلخی آگئی ہے لیکن معنوی اور منطقی اعتبار سے بھی اس میں کوئی نقص ہے، کوئی افتراء ہے، کوئی زیادتی ہے؟

کوئی شک نہیں اگر استاد محترم حضرت مدنی کے ارشاد گرامی کو دُرست مان لیا جائے تو حضرت اسماعیل کی شہادت محض افسانہ بن جاتی ہے مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کیلئے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجے میں قید و بند کی مصیبتیں اُٹھانا اجر آخرت کا موجب کیوں ہوگا؟

مولانا مودودی نے تصوف کو 'چنیا بیگم' لکھا دیا تھا۔ تشبیہ یقیناً خاردار تھی اِدھر سے اُدھر تک زلزلہ آگیا۔ آج تک سارے مشائخ نے انہیں معاف کیا ہے لیکن نشہ کے علاوہ اس کی توجیہ آخر کیا کریں گے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی یا حضرت مولانا اشرف علی جیسے بزرگ جب فتوے کی زبان میں بات کرتے ہیں تو ان احوال و عقائد کو برملا شرک، کفر اور بدعت و گمراہی قرار دیتے ہیں جن کا تعلق غیب کے علم اور روحانی تصرف اور تصورِ شیخ اور استمداد بالارواح جیسے اُمور سے ہے لیکن جب طریقت و تصوف کی زبان میں کلام کرتے ہیں تو یہی سب چیزیں عین امر واقعہ، عین کمال ولایت اور علامت بزرگی بن جاتی ہے۔

اگر ہم فرض کرلیں کہ ان بزرگوں کی طرف دیگر مصنفین نے جو کچھ منسوب کردیا ہے وہ مبالغہ آمیز ہے غلط ہے حقیقت سے بعید ہے تو بیشک ان بزرگوں کی حد تک ہمیں اعتراض سے خلاصی مل جائے گی۔ لیکن یہ دیگر مصنفین بھی تو 'علمائے دیوبند' ہی ہیں ان کی یہ کتابیں بھی تو حلقہ دیوبندی ہی میں بڑے ذوق وشوق سے تلاوت فرمائی جاتی ہے اور کسی اللہ کے بندے کی زبان پر یہ اعلان جاری نہیں ہوتا کہ ان خرافات سے ہم برأت ظاہر کرتے ہیں۔ برأت کیا معنی ہمارے موجودہ بزرگ پورا یقین رکھتے ہیں کہ ان کتابوں میں علم غیب اور فریاد رسی اور تصرفات روحانی اور کشف والہام کی جو کمالات ہمارے مرشدین کی طرف منسوب ہیں وہ بالکل حق ہیں، سچے ہیں۔ پھر آخر ازالہ اعتراض کی صورت کیا ہو؟

ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دے دی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن وسنت کے خلاف ہیں اور ہم دیوبندیوں کے صحیح عقائد ارواح ثلثہ اور سوانح قاسمی اور اشرف السوانح جیسی کتابوں سے معلوم کرنے چاہئیں یا پھر ان موخر الذکر کتابوں کے بارے میں اعلان فرمایا جائے کہ یہ تو محض قصے کہانیوں کی کتابیں ہیں جو رطب ویابس سے بھری ہوئی ہیں اور ہمارے صحیح عقائد وہی ہیں جو اوّل الذکر کتابوں میں مندرج ہیں۔

زلزلہ کے مصنف نے ناچیز تبصرہ نگارہ کا بھی ایک اقتباس ' تجلی' سے دیا ہے 'ان لوگوں کو اپنے دماغ کی مرمت کرانی چاہئے جو یہ لغوترین اور احمقانہ دعویٰ کرتے کہ رسول اللہ کو علم غیب تھا'۔

الحمدللہ! ہمیں اس اقتباس پر کوئی پچھتاوا نہیں، نہ ہمیں دفاع کی ضرورت ہے۔ دفاع کی ضرورت تو اس وقت ہوتی جب ہم نے بھی دیوبندی بزرگ کے ایسے قول یا حال کی توثیق کی ہوتی جس سے ہمارے اس عقیدے پر حرف آتا مگر الحمدللہ ہمارا دامن اس سے پاک ہے ہم ہرگز ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو شخصیت کو ذرا بھی مقدس نہیں سمجھتے۔

البتہ یہ وضاحت ہم کر دیں کہ اس اقتباس میں ہم نے کیا کہنا چاہا ہے۔

ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ علم غیب ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں حواس خمسہ کے دائرۂ عمل سے باہر ہوں انہیں بغیر کسی وسیلے اور ذریعے کے جاننا۔ علم بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام ماکان ومایکون کا علم تھا یعنی ازل سے لے کر ابد تک ہر شئے کا علم کچھ لوگ اتنا توسع تو نہیں برتتے مگر ان کا خیال ہے کہ حضور ان تمام مغیبات کے عالم ضرور تھے جن کا تعلق ان کا ذات یا اُمت کے احوال سے ہے۔

ہمارے نزدیک پہلا گروہ تو جہالت وسفاہت کی آخری منزل میں ہے اور ہمارے مذکورہ اقتباس کا ہدف فی الحقیقت یہی گروہ ہے علم غیب کے حدود کی تصریح اگرچہ اس اقتباس میں نہیں لیکن ' تجلی' میں مختلف اوقات میں جو بحثیں اس موضوع پر ہوتی رہیں ان کے سیاق وسباق میں ہر طالب حق دیکھ سکتا ہے کہ ہم لغوترین اور احمقانہ عقیدہ علم غیب کلی ہی کو قرار دیتے ہیں۔

رہا دوسرے گروہ کا عقیدہ تو یہ بھی ہمارے نزدیک پورے طور پر دُرست نہیں۔ ہم مانتے ہیں اور کون مسلمان ہوگا جو اسے نہ مانے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کو بے شمار ان مغیبات کا علم تھا جن کا علم کسی بھی اُمتی کی دسترس سے باہر ہے آپ دنیا کے سب سے اعلم یعنی باخبر اور جاننے والے انسان تھے علوم غیبیہ کے معاملے میں آپ کے علم کو تمام اُمت کے مجموعی علم سے کم وبیش ایسی ہی نسبت ہے جیسے سمندر کو قطرے سے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہمارا یہ عقیدہ اور دعویٰ بھی ہے کہ اس کثرت علم وخبر کے باوجود آپ پر علم غیب کی اصطلاح کو منطبق نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اصطلاح اللہ کیلئے خاص ہے اور خاص اس لئے ہے کہ کسی بھی شئے کے

علم میں اللہ تعالیٰ وسائل وذرائع کا محتاج نہیں بلکہ ہر شئے ازل سے ابد تک کُلًّا یا جزوًا اس کے سامنے موجود ہے اس کے برخلاف حضور کو جو علم ملا وہ وسائل کے ذرائع کے توسط سے ملا۔ مثلاً آپ نے بے شمار اشیائے غیب کو آنکھوں سے دیکھا تو یہ شہود علم غیب کے دائرے کی چیز نہیں، بلکہ کھلے طور پر یہ ذرائع سے مربوط ہے اللہ نے جو کچھ دکھانا مناسب سمجھا اس کیلئے ذرائع استعمال فرمائے۔ ذرائع میں ملائکہ بھی شامل ہیں اور ایسی خاص الخاص قوتیں بھی جن کا کوئی نام ہم نہیں رکھ سکتے۔ آج ایتھر اور ریڈیائی لہریں دریافت کر لی گئی ہیں جو منٹوں میں کروڑوں میل کی خبر لاتی ہیں پھر کیوں نہ اسی طرح کی بلکہ ان سے زیادہ تیز رو اور قوی اشیاء اس کائنات میں موجود ہوں گی جن کے ذریعے اللہ نے منٹوں میں اپنے رسول کو آسمانوں کی سیر کرادی۔ اس سیر میں حضور کی اپنی قوت یا ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔

عام زندگی میں بے شمار واقعات ہیں جن سے حضور کی غیب دانی کا پتا چلتا ہے لیکن ان میں ایک بھی ایسا ثابت نہیں کیا جا سکتا جو کسی نہ کسی واسطے سے مربوط رہا ہو۔ ملائکہ یا وحی مخفی یا کشف کی کوئی اور روحانی تکنیک حتیٰ کہ اگر بعض علماء کی اس رائے کو قبول کر لیا جائے اور ہمارے نزدیک اسے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو حواس خمسہ کے علاوہ بھی کوئی شئے ایسی بخشی گئی تھی جس سے وہ مغیبات کا ادراک کر لیتے تھے اسے باطن کی آنکھ کہیے یا کوئی اور نام دیجئے۔ بہرحال یہ بھی ایک وسیلے ہی کی حیثیت رکھتی ہے اور بلا ریب ثابت ہے کہ یہ آنکھ لامحدود نہیں تھی بلکہ اس کا دائرہ کار محدود تھا اور اسی تحدید کی وجہ سے انبیاء کی زندگی میں بے شمار واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ کچھ چیزیں کچھ واقعات کچھ حوادث کُلًّا یا جزوًا کچھ مدت کیلئے یا زیادہ مدت کیلئے ان سے مخفی بھی رہے ہیں ایسا نہیں تھا کہ اللہ جل شانہ کی طرح ہر شئے ہر وقت ان کے دائرہ علم میں ہو ان کی مخفی آنکھ ان تمام اشیاء کو تو لازماً دیکھ لیتی تھی جن کا دیکھنا دعوتِ دین کے مصالح کیلئے ضرور تھا یہ خاصیت اللہ ہی نے اس میں رکھی تھی تاکہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں رکاوٹ واقع نہ ہو لیکن جن اُمور کا تعلق ان مصالح سے نہیں تھا انہیں دیکھتے رہنے کی زحمت ان آنکھ کو نہیں دی گئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ کے سوا جس نے بھی جو کچھ جانا وسائط و وسائل کے توسل سے جانا۔ یہ وسائط خواہ کتنے ہی لطیف اور مخفی اور حیران کن رہے ہوں۔ یہ بہرحال انسانی علم کو اللہ کے اس غیب سے جدا کرنے والے ہیں جو ہر وقت ہر شئے کو بلا واسطہ محیط ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ہم نہ تو انبیاء علیہم السلام کی لغوی غیب دانی کے انکاری ہیں نہ اولیاء اللہ کے کشف و کرامات کو خالص افسانہ تصور کرتے ہیں بلا شبہ اولیاء کو صفاء قلب کے نتیجے میں بے شمار مغیبات کا ایسا علم ہوتا ہے کہ جسے شہود کہا جائے تو غلط نہیں اور ان کی روحانی قوتیں کسی نہ کسی حد تک تصرف کی استعداد بھی رکھتی ہیں روحوں سے امداد قلبی یا مراقبے کے ذریعے تصرف یا کشف و الہام کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب کے ردّ و قبول کا پیمانہ ہم قرآن و سنت کو قرار دیتے ہیں نہ کہ فرمودات مشائخ کو۔ ہمارے نزدیک

کسی بڑے سے بڑے بزرگ کا حال یا قال درخور اعتنا نہیں ہے اگر وہ قرآن وسنت کے عطا فرمودہ عقائد ونظریات سے متصادم ہو
ہم کسی امیر شاہ خان یا مولانا مناظر احسن گیلانی یا فلاں فلاں روایتوں کو محض اس بناء پر مثل وحی تصور نہیں کرلیں گے کہ
یہ حضرات ہمارے بزرگوں میں داخل ہیں ہم ان کے ارشاد کی حتی الوسع تاویل حسن کریں گے اور جب گنجائش نہ ہوگی
تو صاف کہہ دیں گے کہ ان لوگوں کو دھوکہ لگا۔ انہوں نے غلط راویوں کا اعتبار کیا یا یہ خود ازراہ غلط فہمی خلاف واقعہ کہانیوں کو
سچ سمجھ بیٹھے یا عقیدت کے غلو نے ان کی بصیرت پر وقتی طور پر پردہ ڈال دیا۔

زلزلہ کا سب سے بڑا تاثر جو فی الحقیقت گمراہ کن ہے۔ عام راوی پر یہ پڑے گا کہ یہ بریلوی مکتبہ فکر جس قبوری شریعت کا حامل ہے
وہی اصلاً حق ہے اور علمائے دیوبند بھی دراصل اسی کے قائل ہیں۔ اس تاثر سے خدا کی پناہ! انصاف کی بات یہ ہے کہ تصوف و
طریقت کے دروازے سے جو بے شمار غلط خیالات وتصورات بریلوی مکتبہ فکر میں داخل ہوئے ہیں اسی قسم کے بہتیرے افکار وعقائد
اس حلقے میں بھی در آئے ہیں جسے دیوبندی حلقہ کہا جاتا ہے۔ عبادات و ریاضت کی کثرت، اوراد وتسبیحات کی فراوانی،
کشف وکرامات کی ریل پیل، وضع قطع کا زاہدانہ اسٹائل اور بے شمار اخلاقی فضائل کا وجود اس بات کا ضامن نہیں کہ تمام عقائد و
مزعومات لازماً برحق ہوں۔ خوارج اور معتزلہ جیسے بدنام فرقوں میں بھی تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے بڑے عابد، مرتاض اور متقی حضرات
گزرے ہیں مگر ان کے بعض عقائد کی بناء پر علمائے سلف نے انہیں اہل سنت والجماعت میں شمار نہیں کیا اور بہت سے تشدد پسند اور
تیز خو بزرگوں نے تو انہیں کافر ہی قرار دے ڈالا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بریلوی یا دیوبندی بزرگ چاہے بظاہر کتنا ہی عابد وزاہد اور
ولی صفت اور صاحب کشف وکرامت ہو لیکن اسے علم یا عمل کسی بھی دائرے میں معصومیت کا وصف حاصل نہیں ہوسکتا
اسی لئے ہم بلاتکلف کہہ سکتے ہیں کہ مولانا اشرف علی یا مولانا رشید گنگوہی یا مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم کی طرف جو بعض اقوال یا
احوال منسوب کئے گئے ہیں جن سے شریعت ابا کرتی ہے تو یا تو منسوب کرنے والوں نے خطا کھائی ہے یا پھر یہی حضرات
تصوف کی رو میں کہیں کہیں ان حدود جائزہ سے باہر نکل گئے ہیں جنہیں خود انہی کے فتووں اور تقریروں نے معین فرمایا ہے۔

﴿ واللہ اعلم بالصواب ﴾

زلزلہ کے مصنف کے قلم سے کہیں کہیں بڑی خوبصورت عبارتیں نکلی ہیں۔ مثلاً 'یا پھر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کاروبار ہستی میں ان کی ذاتی خواہش اتنی دخیل اور بااثر تھی کہ اگرچہ زمین کا سینہ تپتا رہا، فصل جلتی رہی اور کاشتکاروں کی آہیں باب رحمت پر سر پٹکتی رہیں لیکن جب تک ان کا پاخانہ تیار نہیں ہوگیا بارش کو چاروناچار رُکنا پڑا'۔ (ص ۱۱۳)

اگر بااثر کی جگہ موثر کا لفظ ہوتا تو ان سطروں کو اردوئے معلّٰی کا بے عیب نمونہ کہہ سکتے تھے۔ کہیں کہیں قلم نے زبان کے رخ سے ٹھوکر بھی کھائی ہے مثلاً 'ان حضرات کے تئیں فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق جس غیب دانی پر کرتے ہیں وہ اقراری کفر اپنے تھانوی صاحب کے حق میں کتنی بشاشت کے ساتھ قبول کرلی گئی ہے'۔ (ص ۶۶)

تئیں کا لفظ تقریباً متروکات میں شامل ہے علاوہ اس کے 'قبول کرلی گئی ہے' کے بجائے 'کرلیا گیا ہے' کا موقع تھا کیونکہ مفعول 'کفر' ہے جو مذکر ہے نہ کہ 'غیب دانی'۔

کہیں کہیں اسلوب تحریر گھٹیا ہوگیا ہے مثلاً 'اے سبحان اللہ! ذرا غلبہ حق کی شان دیکھو'۔ (ص ۱۵)

'اے' نے فقرے کو زنانہ بنادیا۔

اس طویل تبصرے کے بعد ہم فاضل مصنف سے بڑے دوستانہ پیرائے میں یہ گزارش کریں گے کہ اگر ممکن ہو تو وہ کسی وقت دیوبندیت اور بریلویت وغیرہ کے سارے تخیلات کو ایک طرف رکھ کر خالص طلب حق کے جذبے سے دین وشریعت پر غور کریں۔ یہ سمجھنا کہ فلاں مکتب سرتاسر باطل ہے اور ہمارا مکتبِ فکر الف سے یا تک برحق ہے آدمی کو بے میل حقائق تک نہیں پہنچاتا ایمان واسلام کے سرچشمے قرآن وسنت ہیں نہ کہ کسی شیخ طریقت کے اقوال واعمال اس سے قبل کہ ہم شاہ عبدالقادر جیلانی یا خواجہ اجمیری یا فلاں فلاں اولیاء واقطاب کے حال وقال پر وجد کریں اور عقائد کیلئے ان سے دلائل وقرائن نکالیں ہمیں خالی الذہن ہوکر اللہ اور رسول کے ارشاداتِ عالیہ کو مرکز فکر بنانا چاہئے اور دیانت دارانہ غور وفکر کے بعد جو اصول وقواعد وہاں سے دستیاب ہوں انہیں حرفِ آخر قرار دے کر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہی اصل کسوٹی ہے جس پر گھس کر کھرے اور کھوٹے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کسوٹی پر کھوٹا ثابت ہونے والا مال خواہ جنید وشبلی یا عطار ورومی کا ہو وہ بہرحال کھوٹا ہے اور اس کسوٹی پر کھرا ثابت ہونے والا سکہ خواہ خوارج معتزلہ کے بازار کا ہو وہ بہرحال کھرا ہے یہی اعتصام بالکتاب والسنۃ، یہی ہے وہ ذہن جس کی تربیت قرآن نے یہ کہہ کردی ہے جب معاملہ میں نزاع ہو تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ یہی ہے اصول محکم جسے ان لفظوں میں ادا کیا جاتا ہے کہ اللہ اور رسول ہی معیار حق ہیں اور کوئی فرد دنیا کے پردے پر ایسا نہیں جو شریعت حقہ کیلئے کسوٹی اور دھرم کانٹے کی حیثیت رکھنے والا ہو۔

زلزلہ تصنیف کرکے اگر وہ یقین کربیٹھے ہیں کہ بریلوی عقائد کی سند دیوبندی علماء سے مل جانے کے بعد بریلوی عقائد کی صحت قطعی ہوگئی تو یہ ایک مغالطہ ہوگا جس میں ان جیسے معقولیت پسند کو ہرگز نہ پھنسنا چاہئے۔ غلوئے عقائد بفرق مراتب دونوں گروہوں میں ہے اور قرآن وسنت کے نصوص اس غلو پر خطِ تنسیخ کھینچے ہیں آخرت میں کم استعداد کے بے عقل تو ممکن ہے تقلید جامد کے عذر پر معاف کردیئے جائیں گے مگر موصوف جیسے فہیم اور ذی استعداد بندوں کو اس کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ ایسی توقع اللہ کی عطا کردہ فہم سلیم اور علم وخبر کی ناشکری ہوگی۔

مراسلہ بنام مولانا عامر عثمانی 'مدیر تجلی' دیوبند

جواب تبصرہ.........وسیع الالقاب جناب عامر عثمانی، مدیر تجلی زید کرمہ

بعد ما ہو المسنون......اُمید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے سفرِ حج و زیارت سے واپسی کے بعد 'زلزلہ' پر آپ کا طویل تبصرہ پڑھا اس درمیان میں کئی بار ارادہ کیا کہ آپ کو خط لکھ کر شکریہ ادا کروں لیکن ہر بار کوئی اہم مصروفیت حائل ہوگئی۔ آج طے کر کے بیٹھا ہوں کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے اپنے اخلاقی فرض سے سبکدوش ہو کر ہی اُٹھوں گا۔

بہر حال تبصرہ کے بعض حصوں سے اختلاف کے باوجود یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس فراخدلی کے ساتھ آپ نے میری کتاب کے ساتھ اعتنا فرمایا ہے اس کیلئے میری طرف سے پُر خلوص شکریہ قبول فرمائیے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی جماعت کے 'محفوظ مفادات' کے خلاف قلم اُٹھا کر آپ نے انتہائی جرأت مندانہ کردار کا مظاہرہ کیا ہے کہیں کہیں تو جذبات کے تلاطم میں آپ کے قلم کا تیور اتنا غضبناک ہو گیا ہے کہ بس یہ آرزو مچل اُٹھی ہے کہ کاش! تحریر کو آواز مل جاتی۔

بارِ خاطر نہ ہو تو ذیل کی معروضات ملاحظہ فرمائیں جو آپ کے تبصرہ کے مطالعہ کا ایک تنقیدی جائزہ ہے یقین کیجئے کہ اس کے پیچھے کسی قلمی پیکار کے آغاز کا قطعاً کوئی جذبہ نہیں ہے بلکہ نیک نیتی کے ساتھ میں اپنے ذاتی واردات سے صرف اس لئے آپ کو مطلع کر رہا ہوں تا کہ آپ اپنے تبصرہ کے بعض حصوں سے متعلق میرے ردِّ عمل کا اندازہ لگا سکیں۔

آپ نے اپنی جماعت کے اکابر پر میرے عائد کردہ الزامات کی صفائی میں تصوف کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

مرحوم علمائے دیوبند صرف عالم ہی نہیں تھے بلکہ صوفی اور شیخ بھی تھے۔ تصوف کتنا محتاط کیوں نہ ہو وہ اپنے ساتھ کشف و کرامت اور تحیرات و تصرفات کے طلسم خانے ضرور لاتا ہے۔ (تجلی ڈاک نمبر بابت ماہ مئی ۱۹۷۳ء دیوبند، ص ۹۳)

اور تصوف کی مذمت کا یہ سلسلہ اس حصے پر آ کر تمام ہوا ہے:۔

اور قرآن و سنت کو معیار بنانے والے ناقدین کی زبانیں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ تصوف نشہ ہے، سفسطہ ہے، شریعت کا دشمن ہے۔ (ص ۹۳)

آپ کے ارشاد کے مطابق تصوف شریعت کا اس لئے دشمن ہے کہ وہ کشف و کرامات اور تحیرات و تصرفات کے طلسم خانے اپنے ساتھ ضرور لاتا ہے لیکن اسی مضمون میں دو ہی تین صفحے کے بعد آپ کے قلم سے جو یہ عبارت صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوئی ہے اس میں بھی تو یہ طلسم خانہ اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ موجود ہے......ملاحظہ فرمائیں:۔

ہم نہ تو انبیاء علیہم السلام کی لغوی غیب دانی کے انکاری ہیں نہ اولیاء اللہ کے کشف و کرامات کو خالص افسانہ تصور کرتے ہیں بلاشبہ اولیاء اللہ کو صفائے قلب کے نتیجے میں بے شمار مغیبات کا ایسا علم ہوتا ہے جسے شہود کہا جائے تو غلط نہیں اور ان کی روحانی قوتیں کسی نہ کسی تصرف کی استعداد بھی رکھتی ہیں۔ (ص ۹۷)

آپ کی اس تحریر کے بموجب جب اولیاء اللہ کا کشف و کرامت افسانہ نہیں بلکہ امر واقعہ ہے اور صفائے قلب کے نتیجے میں بے شمار مغیبات کا علم بھی ان کی مدرکہ قدسیہ کا ایک جانا پہچانا معمول ہے اور روحانی قوتوں کے ذیل میں تصرفات کی استعداد بھی ان کا ایک قرار واقعی وصف ہے تو پھر بتایا جائے کہ غریب تصوف پر اب شریعت دشمنی کا الزام کیونکر دُرست ہے البتہ شریعت کا دشمن ہی کسی کو قرار دینا ہے تو اسے کیوں نہ قرار دیجئے جو اولیاء اللہ کی ذات میں یہ 'طلسم خانہ' بطور امر واقعہ کے تسلیم کرتا ہے اور تصوف کو موقعہ دیتا ہے کہ وہ اس کا اشتہار کرے۔

قرآن وسنت کو معیار بنانے والوں میں آپ کی جو ممتاز حیثیت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اس لئے آپ کے متعلق یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے اولیاء اللہ کے حق میں کشف و کرامت اور تصرف و غیب دانی سے متعلق اپنے جس مثبت عقیدے کا اظہار فرمایا ہے وہ تصوف کے زیر اثر ہوگا بلکہ کہنا پڑیگا کہ اس خصوص میں جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے وہ قرآن وسنت کے عین مطابق اور شریعت اسلام کا عین مطلوب ہے۔

میری جسارت معاف فرمائیں تو عرض کروں گا کہ یہاں پہنچ کر بات اُلٹ گئی اب شریعت کا دشمن تصوف نہیں رہا کیونکہ وہ جو کچھ بھی اپنے ہمراہ لاتا ہے وہ تو شریعت کا عین مطلب ہے جب صورت حال یہ ہے تو اب آپ ہی بتایئے کہ جو اسے شریعت کا دشمن کہتا ہے اسے کیا کہا جائے۔

یہاں تو آپ نے انبیاء کے حق میں لغوی غیب دانی کا اعتراف کیا ہے۔ لغوی غیب دانی سے آپ کی کیا مراد ہے اسے تو آپ ہی بتائیں گے لیکن عام مخلوق کیلئے 'بے قید علم غیب' کے اعتراف میں آپ کے قلم سے نکلی ہوئی ایک اس سے بھی زیادہ واضح عبارت میرے پیش نظر ہے...... ملاحظہ فرمایئے:۔

انبیاء کو اگر بعض غیب کی باتیں معلوم ہوئیں تو ان کا ذریعہ وحی یا الہام یا القاء تھا اور ہم لوگوں کا ذریعہ علم الحساب، قیاس، منطق اور علم ہیئت وغیرہ ہے یہ فرق ذرائع کا فرق ہے اصل واقعہ دونوں جگہ موجود ہے یعنی غیب کا علم جو واقعہ ابھی پیش نہیں آیا کل پرسوں پیش آئے گا وہ فی الحال غیب ہے لہٰذا جزوی معنی میں ہم سب بفرق مراتب عالم الغیب ہیں۔ (تجلی باب الاستفسار بابت ستمبر ۱۹۶۲ء)

اس عبارت پر فکر و اعتقاد کے مختلف گوشوں سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ انبیاء و اولیاء کے حق میں علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی عالم الغیب کے اطلاق کو خدا کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور غیر خدا پر اس لفظ کا اطلاق حرام قرار دیتے ہیں۔

لیکن آپ نے مذکورہ بالا عبارت میں نہ صرف یہ کہ بے قید علم غیب کا عقیدہ جملہ مخلوقات کے حق میں تسلیم کرلیا ہے بلکہ عالم الغیب کے اطلاق کی خصوصیت بھی خدا کے ساتھ باقی نہیں رہنے دی۔

یہی بات اگر تصوف کی زبان سے ادا ہوتی تو نہیں کہہ سکتا کہ اس غریب کی پشت پر کتنے تازیانے برستے، لیکن وہی بات آپ فرما رہے ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کتاب وسنت کے معیار سے ہٹ گئے۔

تصوف کو علی الاطلاق شریعت کا دشمن کہتے ہوئے آپ کو یہ ضرور محسوس کرنا چاہئے تھا کہ اس جملے کی ضرب کہاں پڑے گی۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ یہ دعویٰ کبھی نہیں ثابت کرسکیں گے کہ امام الطائفہ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک جن جن بزرگوں نے تصوف کی آبیاری کی ہے، وہ قرآن وسنت کو معیار بنانے والوں میں نہیں تھے اور انہوں نے یکے بعد دیگرے صدیوں تک شریعت کے ایک دشمن کو اپنے سینے سے لگائے رکھا تھا۔

واضح رہے کہ چند جاہل اور مکار صوفیوں کے غلط کردار کی بنیاد پر تصوف کو شریعت کا دشمن کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے چند عیار و بد اطوار علماء کے غلط کردار کی بنیاد پر کوئی علم دین کو شریعت کا دشمن کہنے لگے۔

تصوف کی مذمت پر اپنے دل کی بے چینیوں کے اظہار کے بعد اب ایک دلچسپ مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش کر رہا ہوں اور آپ سے آپ ہی کے خلاف انصاف چاہتا ہوں۔ میرا اپنا گمان ہے کہ آپ کیلئے تاریخ صحافت میں شاید یہ پہلا موقع ہوگا جب آپ خود اپنے خلاف قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کریں گے۔

بات کسی جاہل بے دین صوفی کی نہیں جو قبوری شریعت پر یقین رکھتا ہے بلکہ آپ جیسے تصوف دشمن اور توحید پرست عالم کی ہے جو کتاب وسنت ہی کو معیارِ حق سمجھتا ہے اور بات بھی کشف وکرامت، غیب دانی اور تصرف کی نہیں جسے غیر اللہ کے حق میں آپ بھی تسلیم کرچکے ہیں بلکہ بات اس سجدۂ نیاز کی ہے جس کا غیر اللہ کے حق میں حرام ہونا ہمارا اور آپ دونوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔

بات کئی سال پیشتر کی ہے۔ شاید آپ کے حافظے میں موجود ہو۔ اور نہ ہو تو تجلی بابت ماہ فروری ۱۹۶۳ء کا فائل نکالئے اور اس کے صفحہ ۵۴ پر نظر ڈالئے آپ کے ایک مضمون کی بابت شاید کسی نے آپ کو لکھا تھا کہ آپ نے مولانا مودودی پر چوٹ کی ہے اس کے جواب میں آپ کے قلم نے جو مجروح جذبۂ عقیدت کی جو تصویر اُتاری تھی وہ یہ ہے:۔

وہ شخص مولانا مودودی پر کیا چوٹ کرے گا جس نے مولانا موصوف کی خداداد عظمت وعبقریت کے آستانے پر دن کی روشنی میں سجود نیاز لٹائے ہوں۔ (تجلی فروری ۱۹۶۳ء، ص ۵۴)

یقین کیجئے! بات کسی صوفی اور شیخ کی ہوتی تو ہم اپنے دل آزردہ کو سمجھا لیتے کہ تصوف چونکہ نشہ ہے، سفسطہ ہے، شریعت کا دشمن ہے اس لئے صوفی اگر خدا کا آستانہ چھوڑ کر اپنے کسی ممدوح کے آستانے پر سجود نیاز لٹاتا ہے تو اس میں چنداں تعجب کی بات نہیں کیونکہ نشے میں بہک جانا تو انسان کی سرشت ہے اور جب سود وزیاں کا شعور ہی سلب ہوگیا ہو تو کسی گناہ کے ارتکاب کیلئے رات کی تاریکی اور دن کا اجالا دونوں برابر ہیں۔

لیکن اس حادثے کا سب سے بڑا ماتم تو یہ ہے کہ مولانا مودودی کے آستانے پر سجدہ ریز پیشانی کسی بدمست صوفی کی نہیں کسی قبر پرست مجاور کی نہیں بلکہ نظام شریعت کے ایک عظیم محتسب کی ہے اور کتاب وسنت کو معیار بنانے والے وقت کے سب سے بڑے نقاد مولانا عامر عثمانی کی ہے۔

وہاں تو 'مرحوم علمائے دیوبند' صوفی اور شیخ تھے اس لئے سارا الزام تصوف کے سر ڈال کر بات رفع دفع کردی گئی لیکن یہاں غیرت اسلامی پوچھتی ہے کہ عقیدۂ توحید کے اس تازہ خون کا الزام کس کے سر ڈالا جائے؟

اور پھر غیر اللہ کے آستانے پر سجدہ نیاز کا یہ واقعہ ایک ہی بار کا نہیں ہے کہ اسے اتفاقی حادثہ کہہ کر رفع دفع کر دیجئے بلکہ کچھ ہی عرصے کے بعد پھر مولانا عامر عثمانی کی پیشانی ہر دوسرے آستانے پر سجدہ ریز دیکھتے ہیں۔ بہت ممکن ہے یہ واقعہ بھی آپ کے حافظے سے نکل گیا ہو اس لئے یاد دلائے دیتا ہوں۔ تجلی کا حاصل مطالعہ نمبر اگر آپ کے فائل میں ہو تو اسے کھولئے اور مولانا وحید الدین خان صاحب کی کتاب 'علم جدید کا چیلنج' پر آپ اپنا یہ تبصرہ پڑھئے:۔

اور آج جبکہ اُن کی تازہ کتاب کو خدمت حق کا ایک انمول نمونہ تصور کرتے ہوئے ہم اپنے قلم کی جبین نیاز ان کی بارگاہ میں جھکائے رہے تو یہ سجدۂ بے اختیار ان کی ذات کو نہیں اس حق کو ہے جس کے آگے پوری کائنات خواہی نخواہی سجدہ ریز ہے۔ (ص ۱۰)

اپنے کسی ممدوح کی بارگاہ میں سجدۂ بے اختیار کے جواز کیلئے یہ دلیل اگر قابل قبول ہو تو مزار کی چوکھٹ کا بوسہ لیتے ہوئے بدمست صوفی بھی تو یہی کہتا ہے کہ میری جبین عقیدت کا یہ خراج صاحب مزار کی ذات کو نہیں بلکہ اس جلوۂ حق کو ہے جس کے آگے خواہی نخواہی ساری کائنات سجدہ ریز ہے۔

پھر انصاف کا خون ہی تو یہ کہلائے گا کہ ایک ہی دلیل آپ کے حق میں صرف اس لئے قبول کرلی جائے کہ آپ تصوف کے دشمن ہیں اور صوفی کو اس لئے دار پر چڑھا دیا جائے کہ وہ غریب تصوف کا حامی ہے۔

تبصرے کے خاتمے پر آپ نے دوستانہ پیرائے میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے 'یہ سمجھنا کہ فلاں مکتبہ فکر سرتا سر باطل ہے اور ہمارا اپنا مکتبہ فکر الف سے یا تک برحق ہے آدمی کو بے میل حقائق تک نہیں پہنچاتا۔ (تجلی ڈاک نمبر)

معلوم نہیں کس عالم میں آپ نے یہ عجیب وغریب نکتہ سپرد قلم فرمایا ہے بات بالکل اسٹیٹ لائن کی ہے کہ کسی بھی مکتبہ فکر کو کوئی عاقل و خدا ترس آدمی یہی سمجھ کر قبول کرتا ہے کہ وہ کل کا کل برحق ہے اگر اس کے علم و اعتقاد میں کل کا کل برحق نہ ہو بلکہ کچھ برحق ہو اور کچھ باطل ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے مکتبہ فکر سے وہ منسلک ہی کیوں ہوگا اور اگر اس علم وشعور کے بعد بھی وہ منسلک ہے تو بلاشبہ وہ اپنے دین میں مخلص نہیں بلکہ فاسد اغراض کا شکار ہے۔

میرا اپنے مکتبہ فکر کے بارے میں تو یہی اعتقاد ہے البتہ آپ جس مکتبہ فکر سے وابستہ ہیں ارشاد فرمایئے کہ وہ آپ کی نظر میں کیا ہے؟ کل کا کل برحق ہے یا بعض باطل؟ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ کل کا کل برحق ہے کیونکہ یہ اپنی تکذیب آپ ہوگی اس لئے کہنا پڑے گا کہ بعض باطل ہے اور بعض برحق ہے اب اس الزام کا جواب آپ ہی کے ذمہ ہے کہ دیدہ دانستہ آپ ایک ایسے مکتبہ فکر سے کیوں منسلک ہیں جس میں حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ہے۔

باقی رہ گیا یہ سوال کہ کسی دوسرے مکتبہ فکر کو ہم سرتا سر باطل نہ سمجھیں جب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ وہ باطل ہے، نا قابل قبول ہے اور واجب الرد ہے کیونکہ باطل اور حق کا مجموعہ کبھی حق نہیں ہو سکتا۔

یہ نکتہ ارشاد فرمانے کے بعد آپ نے اپنے طور پر ایک نہایت دل آویز اور حکیمانہ نصیحت مجھے تحریر فرمائی ہے:۔

ایمان و اسلام کے سرچشمے قرآن وسنت ہیں نہ کہ کسی شیخ طریقت کے اقوال و اعمال اس سے قبل کہ ہم شاہ عبدالقادر جیلانی یا خواجہ اجمیری یا فلاں فلاں اولیاء واقطاب کے حال وقال پر وجد کریں اور عقائد کیلئے ان سے دلائل وقرائن نکالیں ہمیں خالی الذہن ہو کر اللہ اور رسول کے ارشادات عالیہ کو مرکز فکر بنانا چاہیے۔ (ص ۹۹)

یاد آتا ہے کہ مولانا مودودی نے بھی کہیں اسی طرح کے خیال کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا ہے:۔

میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

برا نہ مانئے تو عرض کروں کہ سنت رسول سے منحرف کرنے کیلئے جس اسپرٹ میں منکرین حدیث گفتگو کیا کرتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ ہماری ذہنی وابستگی کے خلاف اہل حدیث حضرات نے جو شیوہ اختیار کر رکھا ہے کم وبیش وہی طریقہ اکابر امت سے ہمیں بے تعلق کرنے کیلئے آپ حضرات استعمال فرما رہے ہیں۔

جہاں تک قرآن وسنت اور اللہ ورسول کے ارشاداتِ عالیہ کو مرکز فکر بنانے کا سوال ہے اس حقیقت کبریٰ سے کسے انکار ہوسکتا ہے لیکن دراصل بحث قرآن وسنت کے الفاظ وعبارت میں نہیں ان کے مدلولات ومفاہیم میں ہے غیر منصوص مسائل میں دلائل کے استخراج اور نصوص کے معانی ومطالب کی تعیین کا مرحلہ بغیر اشخاص ورجال کی رہنمائی کے کیونکر طے پاسکتا ہے۔ خود مولانا مودودی نے بھی تو تفہیم القرآن اور تفہیم الحدیث تصنیف کر کے یہی خدمت انجام دی ہے اور آپ بھی تجلی کے باب الاستفسار میں ہر ماہ یہی فریضہ انجام دیا کرتے ہیں۔

پھر یہ کتنے قلق کی بات ہے کہ ایک طرف تو آپ حضرات ماضی کے اشخاص کیلئے یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ ان سے کوئی دین سمجھے اور دوسری طرف کتابیں تصنیف فرما کر خود اپنی بابت ہم سے یہ حق تسلیم کرانا چاہتے ہیں کہ دین سمجھنے کیلئے ہم آپ کی طرف رجوع کریں ظاہر ہے کہ کتابوں کی تصنیف یا مسائل کے جواب میں ورق کے ورق سیاہ کرنے کا مدعا سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ دین سمجھنے کیلئے لوگ آپ کے ارشادات پر عمل کریں۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تفہیم اور دین کی تشریح کے سلسلے میں مولانا مودودی کی فکر وصوابدید پر اعتماد کر کے یا مسائل کے جواب میں آپ کے رشحاتِ قلم پر بھروسہ کر کے اگر ہم قرآن وسنت کے تارک قرار نہیں دیئے جاسکتے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ چند صدی پیچھے ہٹ کر قرآن وسنت کی تفہیم اور اسلام کی تشریح کے سلسلے میں اگر ہم ماضی کے اشخاص کی اصابت رائے پر اعتماد کرلیں تو ہم پر قرآن وسنت سے انحراف کا الزام کیونکر عائد ہوجائے گا۔ آخر تجلی کے اسی ڈاک نمبر میں آپ ہی کے قلم سے تو یہ تحریر ثبت ہوئی ہے:۔

تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح احناف بھی قرآن وسنت ہی کو معیار مانتے ہیں ان کا ایمان یہ ہے کہ سوائے خدا ورسول کے کسی کا اتباع واجب نہیں اور فقہاء کی تقلید خدا اور رسول کے احکام تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ (ص ۲۶)

کتنی عجیب بات ہے کہ جس طنز کا جواب آپ نے اپنی تحریر کے ذریعے دے کر ایک قابل تحسین خدمت انجام دی ہے وہی طنز ہم پر دہراتے ہوئے آپ کو ذرا بھی زحمت نہیں پیش آئی۔

میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ خدانخواستہ حضرت غوث اعظم جیلانی اور حضرت خواجہ بزرگ اجمیری اور دیگر اولیاء واقطاب رضی اللہ عنہم کی طرف سے آپ کے دل میں تکدر کا کوئی جذبہ موجود ہے لیکن اتنی بات کہنے کی اجازت ضرور چاہوں گا کہ قرآن وسنت کی تفہیم اور دین کی تشریح کے سلسلے میں آپ کے نزدیک ان بزرگوں کی اتنی بھی حیثیت نہیں ہے جتنی تفہیم القرآن اور تفہیم الحدیث کے مصنف کی یا تجلی کے باب الاستفسار کے مجیب کی۔

ویسے اس شکایت کے باوجود آپ کے قلم کا یہ حق اپنی جگہ پر ہے کہ دین کی تفہیم وتشریح کے سلسلے میں ان بزرگوں کے متعلق قرآن وسنت سے انحراف کی کوئی روایت آپ تک پہنچی ہو تو برملا اس کی نشاندہی فرمایئے یا ہم نے قرآن وسنت کے خلاف ان کے کسی قول کو اپنا مرکز فکر بنالیا ہو تو اسے بھی متعین طور پر واضح کیجئے۔

قرآن وسنت کو کسوٹی کی حیثیت میں پیش کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا ہے، اس کسوٹی پر کھوٹا ہونے والا مال خواہ جنید وشبلی یا عطار و رومی کا ہو وہ بہر حال کھوٹا ہے اور اس کسوٹی پر کھرا ثابت ہونے والا سکہ خواہ خوارج ومعتزلہ کے بازار کا ہو وہ بہر حال کھرا ہے۔

اس عبارت میں بیان کا پس منظر چاہے کتنا ہی دُرست کیوں نہ ہو لیکن اندازِ بیان نہایت دلخراش اور پرشوخ جسارت کا حامل ہے ہر چند کہ تمثیل کیلئے مفروضات کا میدان بہت وسیع ہے لیکن اس تمثیلی تقابل میں اظہار مقصود سے زیادہ ازالہ حیثیت عرفی کا جذبہ نمایاں ہوگیا ہے۔ کاش آپ کا قلم حقائق کی تعبیر میں شیوۂ آداب کا بھی لحاظ رکھتا تو یقین کیجئے کہ آپ کے قلمدان کے بجائے مومنین کے قلوب میں اس کیلئے جگہ ہوتی۔

آپ نے اپنے تبصرے کے آخری پیرے میں مجھے نصیحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

زلزلہ تصنیف کرکے اگر وہ (یعنی مصنف) یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ بریلوی عقائد کی صحت قطعی ہوگئی تو یہ ایک مغالطہ ہوگا جس میں ان جیسے معقولیت پسند کو ہرگز نہ پھنسنا چاہئے۔ غلوئے عقائد بفرق مراتب دونوں گروہوں میں ہے۔

خدا شاہد ہے کہ زلزلہ تصنیف کرتے وقت یہ بات میرے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھی کہ میں دیوبندی علماء سے اپنے عقائد کی سند حاصل کرنے جارہا ہوں بلکہ اس کتاب کی تصنیف سے میرا مدعا صرف اتنا تھا اور ہے کہ دیوبندی علماء جو توحید وسنت کے تنہا اجارہ دار بن کر دوسروں کو مشرک سمجھتے ہیں، انہیں دنیا کے سامنے اچھی طرح بے نقاب کردیا جائے کہ اپنے کردار کے آئینے میں وہ خود کتنے بڑے مشرک ہیں جیسا کہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر میں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ میرے الفاظ یہ ہیں:۔

سچ پوچھئے تو اسی طرح کی خود فریبیوں کا جادو توڑنے کیلئے میرے ذہن میں زیر نظر کتاب کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا کہ اصحاب عقل وانصاف واضح طور پر محسوس کرلیں کہ جو لوگ دوسروں پر شرک کا الزام عائد کرتے ہیں اپنے نامۂ اعمال کے آئینے میں وہ خود کتنے بڑے مشرک ہیں۔

اور خدا کا شکر ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے لاکھوں افراد نے اپنے خیالات کی اصلاح کی ہے اور بے شمار اصحاب نے دیوبندی مکتبہ فکر سے متعلق اپنے حسن ظن کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ کتاب کی اشاعت کو ایک سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا لیکن ملک کے طول وعرض سے ایک تحریر بھی مجھے ایسی موصول نہیں ہوئی جس میں یہ چیلنج کیا گیا ہو کہ فلاں کتاب کے حوالے غلط دیئے گئے ہیں یا ان حوالوں میں سے جو میں نے نتائج اخذ کئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ آپ نے بھی تذکیر و تانیث وغیرہ کی غلطی کے علاوہ جو دراصل کتابت کی غلطی ہے، حوالہ جات اور کتاب کے مرکزی فکر کے متعلق اپنے کسی اختلاف کا اظہار نہیں فرمایا ہے۔

اب باقی رہ گیا اپنے عقائد کی صحت کیلئے سند تلاش کرنے کا مرحلہ، تو اس کی احتیاج انہیں لوگوں کو پیش آسکتی ہے جو بے سند ہوں اور یہاں تو خدا کا شکر ہے کہ ائمہ دین وملت کے توسط سے کتاب وسنت کی سند بہت پہلے سے ہمارے پاس موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے اب ہمیں مزید کسی سند کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور وہ بھی معاذ اللہ علمائے دیوبند کی سند جو خود الزامات کی زد میں ہیں۔

جذبات کی رو میں خط بہت طویل ہو گیا جس کیلئے معذرت چاہتا ہوں۔ زندگی نے وفا کی تو پھر ملاقات ہوگی۔

آپ کا مخلص

ارشد القادری

مکتبہ جام نور۔ جمشید پور

۱۵ رجب المرجب ۱۳۹۳ھ

نقل مراسلہ حکومت امریکہ بابت 'زلزلہ'

یونائیٹڈ اسٹیٹ لائبریری آف کانگرس

مسٹر ارشد القادری!

مصنف 'زلزلہ' مکتبہ جام نور۔ جمشید پور

عالی جناب! لائبریری آف کانگرس دیگر اُنیس تحقیقاتی لائبریوں کیلئے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کام کر رہی ہیں، یہ اداراہ قائم کیا گیا ہے۔ اس ادارہ میں تمام امریکی دار المطالعے شرکت کر رہے ہیں۔ اس پروگرام میں شامل ہونے والے تمام امریکی دار المطالعے واشنگٹن کی لائبریری آف کانگرس میں ایک مرکزی فہرست مرتب کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ متحدہ کوشش سے یہ ممکن ہے کہ تمام شامل ہونے والے دار المطالعے اپنے قارئین کیلئے ہندوستانی کتابیں منظر عام پر لا سکیں۔

ہم نے **زلزلہ** نام کی ایک کتاب حاصل کی ہے جس کے مصنف آپ ہیں اس کتاب کو فہرست میں ترتیب دینے کیلئے ہمیں چند معلومات کی ضرورت ہے جو ہمرشتہ 'ان لینڈ' پر فراہم کی جائیں گی۔ یہ معلومات آپ کے نام کو امریکی دار المطالعہ کی فہرست میں دوسرے ناموں سے ممتاز کرنے کیلئے استعمال کی جائیں گی چونکہ ہم بذاتِ خود آپ کی تصنیف کے متعلق کوئی صحیح معلومات ترتیب نہیں دے سکتے۔ اس لئے ساتھ والے فارم کو اگر آپ اپنی اوّلین فرصت میں پر کر کے ارسال کر دیں تو عین نوازش ہوگی۔

مسز ای۔ ایس۔ گپتا

اسسٹنٹ فلیڈ ڈائرکٹر لائبریری آف کانگرس

(پی۔ ایل نمبر 480 پروگریمس ساؤتھ ایشیا)